اٰیَاتُھَا 30 (67) سُوْرَۃُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (77) رُكُوْعَاتُھَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ ۙ﴿۱﴾	وہ (ذات) بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾	جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ غالب بخشنے والا ہے۔(3386)
الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ	جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا

سورۃ الملک

تمہید سورت:

اس سورکا نام اَلْمُلْكِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 30 آیتیں ہیں اور اس کے نام اَلْمُلْكِ میں یہ اشارہ ہے کہ ایک خدا کا قانون ہی ساری دنیا میں چلتا ہے اور اس لیے شروع میں توجہ دلائی ہے کہ وہ عظیم الشان مخلوقات سماوی جس کو دیکھ کر نظر بھی متحیر رہ جاتی ہے وہ بھی سب ایک قانون کے ماتحت ہے۔ اور اسی سے انسان کو توجہ دلائی ہے کہ وہ بھی جب تک اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت نہیں چلاتا نہ صرف اس کی زندگی کی غرض پوری نہیں ہوتی، بلکہ اس کا نتیجہ دکھ ہوتا ہے۔ یہاں سے لے کر آخر تک سب سورتیں مکی ہیں، سوائے سورۃ النصر کے۔ اور ہر ایک سورت میں ایک خاص امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

3386۔**موت وحیات پر اللہ تعالیٰ کا تصرف تام:** موت اور زندگی کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔ جن قوانین کے ماتحت زندگی پیدا ہوتی ہے اور جن قوانین کے ماتحت موت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے تصرف تام میں ہیں۔ کوئی ان قوانین کو ایک ذرہ بھر ادھر ادھر نہیں کرسکتا اور موت اور زندگی انسان کے لیے انعام کا موجب ہیں۔ زندگی اسے اچھے کام کا موقعہ دیتی ہے اور موت اچھے کام کے نتائج کو ظاہر کرتی ہے۔

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳

کیا۔تو رحمٰن کی پیدائش میں کوئی اختلاف نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو لوٹا،کیا تو کوئی بگاڑ دیکھتا ہے؟(3387)

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴

پھر نظر کو بار بار لوٹا،نظر تیری طرف حیرت سے تھک کر واپس آئے گی۔(3388)

3387۔﴿طِبَاقًا﴾۔ مُطَابِقَةٌ اسمائے نسبتی میں سے ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری کے اوپر اس کے اندازہ سے رکھو پھر طِبَاقٌ کا استعمال کبھی اس چیز میں ہوتا ہے جو دوسرے کے اوپر ہو اور کبھی اس میں جو دوسری سے موافق ہو۔﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ [الانشقاق: 19:84] ''تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھو گے۔'' میں مطلب یہ ہے کہ انسان درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے۔(غ)۔﴿تَفٰوُتٍ﴾۔ فَوْتٌ۔[دیکھو نمبر: 544] اور﴿تَفٰوُتٍ﴾ اوصاف میں اختلاف ہے۔گویا کہ ایک دوسرے کے وصف کو دور کر دیتی ہے۔(غ)

﴿فُطُوْرٍ﴾۔ اَفْطَرَ سے مصدر ہے اور فَطْرٌ کے لیے[دیکھو نمبر: 913] اور﴿فُطُوْرٍ﴾ کے معنی اختلال ہیں۔(غ)

تمام مخلوق پر ایک ہی قانون حاوی ہے:

جب اپنا موت وحیات کا قانون بیان فرمایا کہ اس میں کسی کو کوئی تصرف حاصل نہیں،تو اب اپنی عظیم الشان سماوی مخلوق کی طرف توجہ دلائی۔سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے موافق پیدا کیا،خواہ یہ سات نظام شمسی کے سیارے ہوں اور خواہ ستاروں کے سات درجے،ایک دوسرے کے اوپر بھی ہیں۔مگر یہاں ان کے ایک ہی قانون کے ماتحت ہونے کا ذکر ہے۔اس لیے فرمایا کہ تم اس مخلوق میں تفاوت نہیں پاؤ گے،یعنی اوصاف میں اختلاف نہیں۔یہ نہیں کہ ایک جگہ ایک قانون کام کر رہا ہے تو دوسری جگہ اس کے مخالف قانون کام کر رہا ہے جو اس پہلے قانون کو باطل کر دیتا ہے۔اور دوسری بات اس کی قدرت عظیم پر دلالت کرنے والی یہ بتائی کہ اس قانون میں خلل کوئی واقع نہیں ہوتا۔یعنی یہ کبھی نہیں ہوتا کہ قانون کسی حالت میں اپنا کام کرنا چھوڑ دے۔یہ دو باتیں اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت پر دلالت کرتی ہوئی اس کی توحید پر بھی شہادت ہیں۔اتنی عظیم الشان مخلوق میں کہ جہاں انسان کی نظر متحیر رہ جاتی اور تھک جاتی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا،ایک ہی قانون کام کر رہا ہے۔سائنس بھی آج یہی بتاتی ہے کہ ایک ذرہ سے لے کر ان عظیم الشان کروں جن کی عظمت کا انسان کے وہم میں آنا بھی مشکل ہے،ایک ہی قانون کام کر رہا ہے۔

3388۔﴿كَرَّتَيْنِ﴾۔ <u>تثنیہ سے مراد تکریر اور تکثیر ہے</u>۔یعنی بار بار ایک فعل کا کرنا جیسے لَبَّيْكَ اور سَعْيَبَيْكَ میں۔اور مراد ہے[رَجْعَةٌ بَعْدَ رَجْعَةٌ] یعنی لوٹاتے چلے جاؤ آخر نظر تھک جائے گی،مگر قانون ایک ہی کام کرتا نظر آئے گا۔

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵

اور ہم نے ورلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور انہیں شیطانوں کے لیے اٹکل بازی کا ذریعہ بنا دیا ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (3389)

وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶

اور ان کے لیے جو اپنے رب کا انکار کرتے ہیں، دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۝۷ۙ

جب اس میں ڈالے جائیں گے اس کا چیخنا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸

قریب ہے کہ جوش سے پھٹ پڑے۔ جب کبھی اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا اس کے چوکیدار ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہ آیا تھا؟

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝۹

کہیں گے، ہاں! ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ مگر ہم نے جھٹلایا اور کہا اللہ (تعالیٰ) نے کچھ نہیں اتارا تم بڑی غلطی میں ہو۔

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۰

اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔ (3390)

3389۔ اس پر [نمبر: 1679] میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ اور مِصْبَاحٌ ستارے کو بھی کہتے ہیں۔ [دیکھو نمبر: 2331]

3390۔ **عقل سے کام نہ لینے پر گرفت:** پچھلی آیت میں سوال صرف نذیر کے متعلق تھا۔ مگر یہاں سمع اور عقل دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر پیغمبر کی آواز کسی جگہ نہ پہنچی ہو جسے انسان سن سکتا ہے تو عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دی ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ﴾ یعنی اگر ہم ڈرانے والے کی آواز کو سن لیتے یا وہ آواز نہ پہنچی تھی تو عقل سے ہی کام لیتے۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۱﴾

سو اپنے گناہ کا اقرار کریں گے۔ پس دوزخ والوں کے لیے دوری ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾

وہ لوگ جو غائبانہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾

اور اپنی بات کو چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾ ع 1 14 1

کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا اور وہ باریک باتوں کا جاننے والا خبردار ہے۔[3391]

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے ماتحت کر دیا، سو اس کی اطراف میں چلو اور اس کے دیئے سے کھاؤ اور اس کی طرف (موت کے بعد) اٹھ کر جانا ہے۔[3392]

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

کیا تم اس سے نڈر ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں نابود کر دے۔ سو وہ ناگہاں کانپنے لگے گی۔[3393]

3391۔ یہاں **خلق کو دلیل علم قرار دیا** ہے۔ اس لیے کہ ایک چیز کا پیدا کرنا، اس کے تمام حالات پر پیدا کرنے والے کو حاوی کر دیتا ہے۔

3392۔ ﴿مَنَاكِبِ﴾ مَنْكِبٌ بازو اور کندھے کے ملنے کی جگہ ہے۔ اور زمین کے ﴿مَنَاكِبِ﴾ سے مراد اس کے رستے یا اس کی جوانب یا پہاڑ ہیں۔ (ل)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت سے انسان کے لیے سب سامان پیدا کیے ہیں۔ مگر ایک **رزق حاصل کرنے کے لیے اسے کس قدر جدوجہد** اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ جب اس رزق ظاہری کے لیے یہ ضرورت ہے کہ زمین کی اطراف و جوانب کو چھان مارے تو اللہ تعالیٰ کا رزق روحانی بغیر جدوجہد کے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ توکل کے متعلق جو غلط خیال پھیلا ہوا ہے اسے یہ آیت جڑ سے کاٹتی ہے۔

3393۔ **اللہ کے آسمان پر ہونے سے مراد:** ﴿مَّنْ فِی السَّمَآءِ﴾ مفسرین نے عموماً مراد اللہ تعالیٰ لیا ہے۔ لیکن یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًاؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾

یا تم اس سے نڈر ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسائے۔ سو تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔

وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾

اور انہوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے۔ سو میری ناپسندیدگی کا (انجام) کیسا ہوا۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقْبِضْنَ ؔۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾

وقف لازم (اختلافی)

وقف منزل وقف غفران

کیا وہ اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھتے (جو) پَر پھیلائے ہوئے (ہیں) اور سکیڑ (بھی) لیتے ہیں۔ سوائے رحمٰن کے انہیں کون روک رکھتا ہے؟ وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔(3394)

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍۚ ﴿۲۰﴾

بھلا وہ کون ہے؟ جو تمہارے لیے لشکر ہو کر رحمٰن کے مقابلہ میں تمہیں مدد دے۔ کافر صرف دھوکے میں ہیں۔

ایک خاص مکان میں آسمان میں ہے، بلکہ محض بلندی اور علو کی نسبت کی ہے۔ اور دوسری جگہ ہے ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ﴾ [الانعام: 3:6] ''اور آسمانوں اور زمین میں وہی اللہ ہے۔'' بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ اس کا امر آسمان میں نافذ ہے۔ بعض نے یہ کہ وہ [خَالِقُ مَنْ فِي السَّمَاءِ] ہے، بعض نے مراد ملائکہ لیے ہیں، کیونکہ سزا کا ذکر ہے اور خود عذاب کی نسبت بھی آسمان کی طرف ہی کی جاتی ہے۔ اور **جن عذابوں کا یہاں ذکر ہے وہ مخالفین نبی کریم ﷺ پر آئے** اور ان کا خسف ان کی ذلت تھی اور زمین کا کانپنا ان جنگوں کی وجہ سے تھا جو اس پر ہوئی۔ اور اگلی آیت میں ﴿حَاصِبٌ﴾ کا ذکر ہے جس کے معنی عذاب بھی ہو سکتے ہیں اور سخت آندھی بھی۔ جنگ احزاب میں ان پر آندھی کا عذاب ہی آیا تھا۔

3394۔ [دیکھو نمبر: 2336] پرندے پَر پھیلائے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ایک قانون کے ماتحت ہیں۔ اسی کی طرف انسان کو توجہ دلائی ہے کہ وہ بھی قانون کی فرمانبرداری اختیار کرے اور عذاب کے متعلق پرندوں کے ذکر پر مفصل بحث [نمبر: 1769] میں گزر چکی ہے۔ اور یہاں آگے پیچھے عذاب کا ہی ذکر ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ؕ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

بھلا وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے؟ اگر وہ اپنا رزق روک دے۔ بلکہ سرکشی اور نفرت پر اڑے ہوئے ہیں۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

تو کیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلتا ہے زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو سیدھا راہِ راست پر چلتا ہے۔[3395]

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾

کہہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ بہت ہی کم تم شکر کرتے ہو۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کہہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہے؟ اگر تم سچے ہو۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾

کہہ علم تو صرف اللہ کے پاس ہے اور میں صرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔

3395۔ ﴿مُكِبّ﴾ کے لیے [دیکھو نمبر: 2422] اور ﴿سَوِیّ﴾ کے لیے [دیکھو نمبر: 1979] وہ جو اخلاق میں اور خلقت میں افراط و تفریط سے محفوظ ہو۔ اور ﴿مُكِبّ﴾ اور ﴿سَوِیّ﴾ دونوں کا تعلق عمل سے ہے۔ جو شخص قانون پر چلتا ہے وہ افراط و تفریط سے بچا ہوا سیدھے رستے پر چلتا ہے۔ اور جو شخص قانون کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ گویا اوندھا اپنے منہ پر چلتا ہے، یعنی قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے منزل مقصود پر پہلا ہی پہنچے گا۔ **قانون سے نکلنے والے کا نتیجہ لازماً دکھ ہے۔** یہی مثال مومن اور کافر کی ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

سو جب اسے قریب دیکھیں گے تو کافروں کے منہ برے ہو جائیں گے اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جو تم مانگا کرتے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

کہہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ مجھے ہلاک کر دے اور انہیں جو میرے ساتھ ہیں یا ہم پر رحم کرے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا۔[3396]

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

کہہ وہ رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم بھروسا کرتے ہیں۔ سو تم جان لو گے کون کھلی گمراہی میں ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع 2 16 2

کہہ دیکھو تو اگر تمہارا پانی زمین کے اندر چلا جائے تو کون تمہارے پاس جاری پانی لائے گا؟[3397]

3396۔ یعنی تمہاری آرزو تو یہ ہے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھی ہلاک ہو جائیں اور ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ہم پر رحم کرے گا اور ہماری نصرت کرے گا۔ تو دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت ہو، لیکن بہرحال کفار کو جو ان کی نافرمانی کی سزا ملنے والی ہے اس سے وہ کس طرح بچ سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات کہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہی ہوگا، اگلی آیت میں واضح کر دی ہے۔

3397۔ **وحی اور اخلاق کا تعلق:** ظاہر طور پر بھی یہ بات صحیح ہے کہ جب بارش بند ہوتی ہے تو زمین کا پانی یعنی وہ چشمے جو زمین کے اندر جاری ہیں وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں اور خشک ہو جاتے ہیں اور یہی قانون اس کا عالم روحانی میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل نہ ہو تو اخلاق خود بخود مردہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگلی سورت کے شروع میں آنحضرت ﷺ کے اخلاق فاضلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آنحضرت ﷺ سے پیشتر جو ایک لمبا زمانہ فترت گزرا ہے اس میں تمام دنیا کے اخلاق مردہ ہو گئے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت میں اپنے کلام کو بند نہیں کیا۔ ورنہ اخلاق مردہ ہو کر پھر نبوت کی ضرورت پڑے۔ اور جس قدر اللہ تعالیٰ سے کسی کا تعلق ہوتا ہے اسی قدر اس کے اخلاق بھی ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوتے ہیں۔

اٰیَاتُهَا 52 (68) سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (2) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ — دوات (گواہ ہے) اور قلم اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔

مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ — تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں۔

وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾ — اور یقیناً تیرے لیے اجر ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ — اور تو یقیناً بلند اخلاق رکھتا ہے۔ (3398)

سورۃ القلم

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْقَلَمِ ہے اور نٓ بھی اسے کہتے ہیں اور اس میں 2 رکوع اور 52 آیتیں ہیں۔ یہ دونوں نام پہلی ہی آیت میں آتے ہیں اور ان دونوں لفظوں میں یہ توجہ دلائی ہے کہ قلم اور دوات کی مدد سے جس قدر علوم دنیا میں پھیلیں گے وہ سب آخر دنیا کو اس نتیجہ تک پہنچائیں گے کہ جیسا کہ سطحی نظروں نے خیال کرلیا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ مجنون نہیں بلکہ آپ کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ تمام علوم یہ بھی شہادت دیں گے کہ آپ اخلاق کے بلند ترین مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ اور اس سورت کی غرض یہی بتانا ہے کہ اگر ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق تعلق باللہ سے کمال کو پہنچ گئے ہیں تو دوسری طرف دنیاداروں اور طالبان مال کے اخلاق گرتے گرتے آخر کار کہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اخلاق فاضلہ صرف تعلق باللہ سے پیدا ہوتے ہیں اور وحی الٰہی کا نزول اخلاق کے نشوونما میں وہی کام دیتا ہے جو بارش زمین کی روئیدگی کے نشوونما میں دیتی ہے۔ اور یہی تعلق اس سورت کا پچھلی سورت سے ہے۔ [دیکھو نمبر: 3397] گویا جو انسان اپنے آپ کو ایک خدا کی رضا کے ماتحت کر دیتا ہے اس کا نتیجہ بھی قانون الٰہی کے ماتحت یہی ہے کہ وہ ہر قسم کی خوبیوں کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے اور جو اس قانون کے خلاف چلتا ہے وہ ہر قسم کی بدیوں کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے۔ اس سورت کا نزول بہت ہی ابتدائی زمانہ کا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ پہلے سورۂ اقرأ نازل ہوئی پھر یہ سورت، پھر مزمل، پھر مدثر۔

3398۔ ﴿نٓ﴾۔ نون کے معنی مچھلی ہیں اور یہاں ﴿نٓ﴾ کے معنی حسن اور قتادہ سے دوات اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حوت مروی ہیں۔ اور

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ سوتو دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے۔

ازہری کا قول ہے کہ اگر اس سے مراد دوات یا حوت ہوتی تو نون لکھا جاتا نہ ﴿ن﴾۔(ل) مگر صرف یہ وجہ اس معنی کو رد کرنے کے لیے کافی نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کا رسم الخط کئی باتوں میں معمولی رسم الخط سے اختلاف رکھتا ہے اور مفسرین سے عموماً یہی معنی مروی ہیں اور سیاق ایک ہی معنی دوات کو چاہتا ہے۔ پس یہی معنی یہاں ہیں اور ابن جریر میں ایک قول ہے کہ اس سے مراد لوح نور ہے یعنی نورانی تختی۔

آنحضرت ﷺ کی صداقت پر علوم کی شہادت:

دوات اور قلم اور تمام تحریروں کی قسم کھائی ہے یعنی انہیں بطور گواہ پیش کیا ہے۔ اور جواب قسم میں فرمایا کہ یہ پیغمبر مجنون نہیں۔ تو گویا تمام دنیا کے علوم اس بات پر گواہی دیں گے کہ محمد رسول اللہ ﷺ مجنون نہیں۔ جب انہیں بدی کے بدنتائج سے ڈرایا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ یہ مجنون شخص ہے۔ علوم کی شہادت پیش کر کے بتایا کہ مجنون کی باتیں تو بے جوڑ ہی ہوتی ہیں اور علم کی بات اس کے منہ سے نہیں نکل سکتی۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کا اس قدر احسان علوم پر ہوگا کہ وہ علوم ہی آخر شہادت دے اٹھیں گے کہ یہ انسان مجنون نہ تھا اور اس کے ساتھ دو باتیں اور بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ آپ کا اجر غیر منقطع ہے اور دوسری یہ کہ آپ خلق عظیم پر ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں بھی بطور جواب قسم ہیں اور ان میں ایک پیشگوئی بھی ہے۔ یہ سورت بہت ہی ابتدائی زمانہ کی ہے یہاں تک کہ اکثر نے اسے نزول میں دوسرے مرتبہ پر رکھا ہے یعنی ﴿اِقْرَاْ﴾ کے بعد اس کا نزول مانا ہے۔ اس وقت اجر پھر غیر ممنون کی خبر کیسی **عظیم الشان پیشگوئی** تھی اور اصل مضمون کے ساتھ اس کا یوں رابطہ ہے کہ مجنون کا فعل کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتا، مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے وہ انقلاب دنیا میں پیدا کیا کہ جس کی نظیر کسی دوسرے انسان میں نہیں ملتی۔ ایک عظیم الشان سلطنت کے ساتھ ایک ایسا مذہب قائم کیا کہ جب تک دنیا باقی ہے یہ بھی باقی ہیں۔ اس لیے آپ کا اجر بھی منقطع نہیں ہوسکتا۔

مگر اس سے بھی بڑھ کر تیسری بات یہ ہے کہ آپ **خلق عظیم کے مالک ہیں**۔ یہ خلق عظیم کیا تھا؟ مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں ہشام سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ مجھے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کی کچھ خبر دو۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا پڑھتا ہوں۔ تو فرمایا کہ آپ کا **خلق قرآن** ہی تھا۔ یعنی جس قدر اعلیٰ درجہ کی صفات انبیاء اور مومنوں کے اندر بیان کی گئی ہیں یا جن صفات عالیہ کی طرف قرآن شریف میں توجہ دلائی گئی ہے وہ سب آپ میں موجود تھیں۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاَقِ] (سُنَنْ اَلْكُبْرٰى لِلْبَيْهَقِيُّ، باب: بَيَانِ مَكَارِمِ الأَخْلاَقِ، حديث: 21301) میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں کہ **اعلیٰ درجہ کے اخلاق کو کمال کو پہنچاؤں** اور آپ کے اخلاق فاضلہ کے سامنے اگر عرب نے سر جھکایا اور پھر ایک عالم نے تو وہ دن بھی دور نہیں کہ کل عالم ہی سر جھکا دے۔ حالانکہ مجنون میں تو اخلاق کا نام بھی نہیں ہوسکتا۔ اور ﴿اَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ﴾ کے ساتھ خلق عظیم کو بیان کر کے بتایا کہ غربت میں ہر شخص اچھے اخلاق دکھانے کا دعویٰ کرسکتا ہے مگر **طاقت اور غلبہ کے وقت** وہ حلم اور فروتنی اور بردباری کے اخلاق بھول جاتے ہیں،

بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦
کہ تم میں سے کس کو جنون ہے۔(3399)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧
تیرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کے رستہ سے بھٹک گیا اور وہ سیدھے رستے پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨
سوتو جھٹلانے والوں کی بات نہ مان۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝٩
وہ چاہتے ہیں کہ تو مداہنت اختیار کرے تو وہ بھی مداہنت اختیار کریں۔(3400)

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝١٠
اور تو کسی قسمیں کھانے والے ذلیل (آدمی) کی بات نہ مان۔

لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے **اخلاق ایسے کمال کو پہنچے** ہوئے ہیں اور ایسے حالت اعتدال پر ہیں کہ بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہو کر بھی ان اخلاق میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور اگر اہل عرب پہلے آپ کے اخلاق فاضلہ کی وجہ سے آپ کے اَلْاَمِیْنُ ہونے کے قائل تھے تو آخر میں صرف اخلاق نبوی نے ہی دنیا کی متکبر ترین قوم کو ایسا رام کیا کہ سر، جان، مال، عزت سب کچھ آپ پر قربان کر دیا۔

3399۔﴿مَفْتُوْنُ﴾ کے معنی ہیں [فُتِنَ بِالْجُنُوْنِ] جنون میں مبتلا کیا گیا۔ یا مراد فُتُوْنٌ بمعنی جنون ہے۔(ل)

﴿فَسَتُبْصِرُ﴾ میں صاف بتا دیا کہ ﴿اَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ﴾ اسی دنیا میں پا کر پیغمبر اور اس کے مکذب دونوں دیکھ لیں گے کہ جنون کسے تھا۔ مفسرین نے بھی اسے مانا ہے۔[فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ فِي الدُّنْيَا بِظُهُوْرِ عَاقِبَةِ الْأَمْرِ بِغَلْبَةِ الْإِسْلَامِ] اور مقاتل نے وعید یوم بدر مراد لیا ہے۔(ل)

3400۔مُدَاهِنَةٌ یہ ہے کہ اس کے خلاف ظاہر کیا جائے جو دل میں ہے۔[دیکھو نمبر: 3253] جب نبی کریم ﷺ کے مقام عظیم اور خلق عظیم کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بتایا کہ **آپ کے اخلاق مداہنہ سے پاک ہیں**۔ دنیا دار خواہ کتنے بھی اعلیٰ درجے کے اخلاق دکھائیں مگر یہ سب کچھ مداہنہ کے رنگ میں ہوتا ہے۔ باہر سے ہنس ہنس کر ملتے ہیں، اندر سے جڑیں کاٹتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ سے تعلق رکھنے والے کے اخلاق اس آلائش سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ اندر باہر سے ایک ہوتا ہے، اخلاص اور سچائی اس کے اندر ہوتی ہے۔ دنیا داروں کے اخلاق ظاہری گو بعض وقت خدا پرستوں کے اخلاق کی طرح نظر آئیں، مگر یہ سب کچھ دکھاوے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کے مکذبین ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ (جو) عیب لگانے والا، چغلیاں لگانے والا۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار۔

عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ سخت جھگڑالو، اس کے علاوہ شرارت میں مشہور (ہے)۔

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اس لیے کہ وہ مال اور بیٹوں والا ہے۔ (3401)

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتا ہے پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ ہم اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔ (3402)

3401۔ ﴿حَلَّافٍ﴾۔ حَلِفٌ اصل میں وہ قسم ہے جس کے ذریعہ سے کسی سے عہد کیا جائے۔ پھر ہر قسم پر بولا گیا ہے۔ اور ﴿حَلَّافٍ﴾ بہت قسمیں کھانے والا ہے۔ (غ)

﴿مَّشَّآءٍ﴾۔ مَشْی ارادہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے۔ اور کنایۃً چغل خوری مراد لی جاتی ہے جیسے یہاں۔ (غ)

﴿نَمِيْمٍ﴾۔ نَمِیْمَۃٌ اصل میں خفیف حرکت ہے اور چغلی یا بات کو جھوٹ کے ساتھ آراستہ کر کے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔ (غ)

﴿زَنِيْمٍ﴾ جو ایک قوم میں سے نہیں مگر ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (غ) اور ﴿زَنِيْمٍ﴾ موسوم بالشر کو بھی کہتے ہیں اور زانیہ کی اولاد کو بھی۔ (ل) اور سعید بن جبیر سے اس کے معنی شرارت میں مشہور مروی ہیں۔ (ج) چونکہ یہ سب باتیں اخلاق کے رنگ کی ہیں اس لیے یہی معنی چسپاں ہیں۔

بندگان سیم وزر کے اخلاق:

یہ اخلاق انسانی کا ذلیل ترین پہلو ہے جو خلق عظیم کی ضد کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور اعدائے حق کی نوبت آخر یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اس سب کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ صاحب مال اور اولاد ہے یعنی مال اور دنیا اور جتھے پر فخر کرنا آخر انسان کو بندۂ سیم وزر بنا دیتا ہے۔ تب اس کے اخلاق کی یہ حالت ہو جاتی ہے اور مداہنت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو اندر بھرا ہوا تھا وہ آخر باہر نکل آتا ہے۔ اور زیادہ قسمیں کھانے کو بھی یہاں بدترین اخلاق میں رکھا گیا ہے۔ گو وہ جھوٹ ہوں یا سچ۔

3402۔ **ناک پر داغ لگانے سے مراد:** ﴿خُرْطُوْمِ﴾ اصل میں ہاتھی (اور سؤر) کے متعلق بولا جاتا ہے۔ اور یہاں اظہار قباحت کے لیے ناک کو خرطوم کہا ہے اور یہاں [وَسِمَ عَلَي الْخُرْطُوْمِ] سے مراد ہے ایسی عار اس کو لگا دیں گے جو اس سے محو نہ ہو جیسے

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۷﴾

ہم انہیں آزمائیں گے جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا۔ جب انہوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ صبح ہوتے ہی اس کا پھل کاٹیں گے۔

وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور (حق مساکین کا) استثنا نہ کرتے تھے۔ (3403)

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾

سو اس پر تیرے رب کی طرف سے پھر جانے والی (آفت) پھر گئی اور وہ سو رہے تھے۔

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ﴿۲۰﴾

اور وہ ایسی زمین کی طرح ہو گیا جس کی کھیتی کاٹی گئی ہو۔

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۲۱﴾

ادھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

کہ سویرے ہی اپنی کھیتی پر چلو۔ اگر تم (اسے) کاٹنے والے ہو۔

فَانْطَلَقُوْا وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾

سو وہ چلے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے۔

ناک کاٹ دینا کہہ دیتے ہیں۔ (غ) یہ مراد نہیں کہ ہر ایک ایسے انسان کی ناک پر سچ مچ کوئی نشان لگ جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کے ذریعہ سے وہ اپنی عزت قائم کرنا چاہتا ہے وہی آخر اس کی ذلت کا موجب ہو جاتی ہیں۔

3403۔ ﴿يَصْرِمُنَّ﴾۔ صَرَمَ قطع کرنا ہے۔ اور اِنْصِرَامٌ انقطاع ہے اور حدیث میں ہے [لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُصَارِمَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلاثٍ] (بغية الباحث عن زوائد مسند، باب الهجرة، حديث: 870) یعنی اس سے مکالمہ قطع نہ کرے۔ اور صَرِيْمَةٌ کسی امر کے قطع کرنے پر عزیمت ہے۔ اس لیے صَارِمِيْنَ سے مراد ہے [عَازِمِيْنَ عَلٰى صَرَمَ النَّخْلَ] یعنی کاٹنے پر عزم کرنے والے۔ اور صَرِيْمٌ اور صَرِيْمَةٌ وہ قطعہ زمین ہے جو بڑے حصہ ریت سے الگ ہو اور وہ زمین بھی جس کی کھیتی کاٹی گئی ہو۔ اور رات کو بھی اس لیے کہ وہ دن سے منقطع ہوتی ہے۔ (ل)

﴿يَسْتَثْنُوْنَ﴾۔ اِسْتِثْنَاءٌ کے معنی انشاء اللہ کہنا اور الگ کرنا آتے ہیں، یہاں دوسرے معنی ہی مراد ہیں اور قتادہ سے یہی معنی مروی ہیں۔ یعنی حق مسکین کو الگ نہ کرتے تھے۔

اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾

کہ آج تمہارے پاس اس میں کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے۔

وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہ سویرے ہی جا پہنچے (اور وہ) روکنے پر قادر تھے۔ (3403)

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾

سو جب اسے دیکھا کہنے لگے بلاشبہ ہم راہ بھول گئے ہیں۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾

بلکہ ہم بے نصیب ہیں۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾

ان میں سے بہترین (شخص) بولا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم کیوں تسبیح نہیں کرتے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

کہنے لگے، ہمارا رب پاک ہے ہم ہی ظالم تھے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾

کہنے لگے ہم پر افسوس! ہم سرکش تھے۔

عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلے میں دے۔ ہاں ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع 1 33 3

اسی طرح عذاب آئے گا اور آخرت کا عذاب یقیناً اس سے بڑا ہے۔ کاش یہ جانتے۔ (3404) وقف لازم

3403۔ ﴿حَرْدٍ﴾ تیزی اور غضب سے روکنا۔ (غ) یعنی اس قدر جوش تھا کہ مسکین کو پاس نہ پھٹکنے دیں۔

3404۔ اس مثال میں **مخالفین کے دونوں عذابوں کا کھلا کھلا ذکر** کر دیا ہے، یعنی ایک عذاب دنیا اور ایک عذاب آخرت۔ اور عذاب دنیا

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾

متقیوں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں کے باغ ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾

تو کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں؟

مَا لَكُمْ ۟ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾

تمہیں کیا ہوا، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟

اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾

کہ تمہارے لیے اس میں وہ ہے جو تم پسند کرو۔ (3405)

اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ ۙ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾

یا تم نے ہم سے کوئی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک پہنچنے والی ہیں کہ تمہارے لیے وہی ہے جو تم خود فیصلہ کرو۔

کی نوعیت بھی صراحت سے بتادی۔ جس طرح باغ والوں کے کیے کرائے پر اللہ تعالیٰ نے پانی پھیر دیا، اس لیے کہ وہ مساکین کا حق نہ دیتے تھے۔ اسی طرح ان کفار پر عذاب آئے گا، یعنی ان کی تمام کوششیں جو وہ کریں گے برباد کر دی جائیں گی۔ اور یہ بھی بتادیا کہ **آخر یہ لوگ مسلمان ہوں گے**۔ ﴿اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ﴾ اور اس باغ سے بہتر انہیں ملے گا۔ فی الواقع عرب میں ان کی طاقت نابود ہوئی تو دنیا پر حکومت دے دی۔ اس قدر صراحت سے اس نہایت ہی ابتدائی زمانہ کی پیشگوئی میں کس قدر زبردست دلیل صداقت اسلام پر ہے۔ اس مثال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دل کو جو بڑا غم کھا رہا تھا وہ مساکین کی حالت تھی اور یہی اسلام کا سب سے بڑا مقصد تھا کہ غربا اور مساکین کی خبر گیری ہو، ضعیفوں اور کمزوروں کو حق ملیں۔

3405۔ اوپر کی آیات میں بتایا ہے کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مجرموں اور مسلموں سے اللہ تعالیٰ کا ایک ہی معاملہ ہوگا وہ صحیح نہیں۔ مُسْلِمْ وہ ہے جو ایک قانون الٰہی کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ مجرم وہ ہے جو ذات باری سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ قانون پر چلنے والا اور قانون کو توڑنے والا یکساں نہیں ہو سکتے۔ تو پہلے ان کے اس فیصلہ کو غلط قرار دیا، پھر فرمایا کہ کوئی کتاب اللہ تعالیٰ نے ایسی نہیں اتاری جس میں یہ لکھا ہو۔ نہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم سے کوئی ایسا عہد کیا ہے کہ جو راہ وہ چاہیں اختیار کر لیں مگر نتیجہ سکھ ہی ملتا رہے گا۔ جو کچھ ملتا ہے آرزوؤں سے نہیں ملتا اور یہ جو ایمان کے متعلق ﴿بَالِغَةٌ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ہمارا عہد اگر ہوتا تو پھر قیامت کے دن تک یہی عہد ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنتیں بدلتیں نہیں۔ لیکن یہ فیصلہ کرنے والے خود

ع15 سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝٤٠

ان سے پوچھ،کون ان میں سے اس کا ذمہ دار ہے؟

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝٤١

یا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو اپنے شریکوں کو لائیں، اگر وہ سچے ہیں۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝٤٢

جس دن شدت ظاہر ہوگی اور وہ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے تو کر نہ سکیں گے۔(3406)

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ ۝٤٣

ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہوگی اور کبھی ان کو سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ صحیح و سالم تھے۔

دوسروں کے لیے ان کی آرزوؤں کے وہ نتائج تسلیم نہیں کرتے جو اپنے لیے تجویز کرتے ہیں۔

3406۔[كَشَفَ عَنِ السَّاقِ] کے لیے [دیکھو نمبر: 2476] اور ایک جماعت صحابہ اور تابعین نے ﴿يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ کے معنی کیے ہیں امر شدید ظاہر ہوگا۔(ج) اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی معنی مروی ہیں کہ سخت امر کھل جائے گا اور اعمال ظاہر ہوجائیں گے۔ اور مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ سے معنی [شِدَّتُ الْاَمْرُ] مروی ہیں۔ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جاہلیت میں اسی معنی میں یہ محاورہ استعمال ہوتا تھا۔ اور عرب کے لوگ جب کسی امر کی شدت کو ظاہر کرنا ہوتا تھا کہتے تھے [كَشَفَتْ هٰذَا الْاَمْرَ عَنْ سَاقٍ](ج)

عمل کے مطابق جزا:

﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ان کی پیٹھیں ایسی ہوجائیں گی کہ وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔ گویا ان کی وہ حالت ہوجائے گی جو اپنے اندر اپنے عمل سے یہاں پیدا کرلی تھی۔ اس دنیا میں جب انہیں سجدہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو باوجود اس پر قدرت رکھنے کے وہ اس طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ جیسا اگلی آیت میں بتایا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ جھکنا ان کی طبیعت کا جزو بن گیا اور وہ اس قابل نہ رہے کہ جھکنا چاہیں تو جھک جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے یہاں جھکنے سے اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں، انہیں انہوں نے حاصل نہ کیا۔ اور چونکہ یہاں اکڑتے تھے وہاں بھی اکڑے رہے گے۔ اسی اصول کی طرف توجہ دلائی ہے کہ راحت اخلاق فاضلہ سے اور اخلاق فاضلہ تعلق باللہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

فَذَرْنِیْ وَ مَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾

سو مجھے چھوڑ دے اور اسے جو اس بات کو جھٹلاتا ہے ہم انہیں آہستہ آہستہ اس طریق سے پکڑیں گے جس کا انہیں علم نہ ہو۔

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾

اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں، میری تدبیر مضبوط ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

کیا تو ان سے اجر مانگتا ہے؟ تو وہ چٹی کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

یا ان کے پاس غیب ہے تو وہ لکھ لیتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ وقف لازم

سو اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا۔ جب اس نے پکارا اور وہ رنج سے بھرا ہوا تھا۔ (3407)

لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾

اگر اسے اپنے رب کی نعمت نہ پا لیتی تو وہ برے حال میں کھلے میدان میں ڈال دیا جاتا۔

3407۔ **حضرت یونس علیہ السلام کی ہجرت بلا اذن:** صاحب الحوت حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ اور یہاں صبر سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں سے بوجہ ان کی بداخلاقی کے یا ان کے دکھ دینے کے علیحدگی کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ جیسے حضرت یونس علیہ السلام نے جلدی کی۔ [دیکھو نمبر: 2180] یعنی انہوں نے بلا اذن الٰہی ہجرت کی۔ اور اگلی آیت میں بتایا کہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل نے ان کی دستگیری کی ورنہ اس طرح ہجرت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کامیابی سے محروم رہ جاتے۔ ﴿مَذْمُوْمٌ﴾ میں اشارہ ناکامی کی طرف ہی ہے۔ اور کھلے میدان میں ڈالے جانے سے مطلب ایسی جگہ ہے جہاں انہیں پناہ نہ ملتی۔ اور [آیت: 51] کا بھی یہی مطلب ہے کہ کافر اس قدر بری نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہیں کہ ان کے برے تیوروں کو دیکھ کر ہی ایک شخص اپنی جگہ چھوڑ جائے۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر کھڑا کیا ہے وہ ان چیزوں کی پروا نہیں کرتا۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

سو اس کے رب نے اسے چن لیا اور اسے نیکو کاروں سے بنایا۔

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

وقف لازم

اور قریب ہے کہ کافر تجھے اپنی نظروں سے (گھور کر) پھسلا دیں۔ جب وہ نصیحت سنتے ہیں اور کہتے ہیں یقیناً یہ دیوانہ ہے۔

ع 2 19 4 وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع

اور وہ جہانوں کے لیے شرف ہے۔ (3408)

3408۔ **قرآن سب قوموں کے لیے عزت کا موجب ہے:** گویا وحی الٰہی نے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کو ہی کمال کو نہیں پہنچایا، نہ وہ صرف ایک قوم عرب کو ہی مقام عزت تک پہنچائے گا بلکہ اس کے اندر اس قدر وسعت ہے کہ تمام دنیا کی قوموں کو مقام عظمت تک پہنچا دے گا۔

اٰیَاتُهَا 52 (69) سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ (78) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ — حق ہو کر رہنے والی۔ (3409)

مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ — حق ہو کر رہنے والی کیا (بات) ہے؟

سورۃ الحاقہ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْحَآقَّةِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 52 آیتیں ہیں اور اس کے نام میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو کچھ بدی کا اور اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کا نتیجہ ہے وہ کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا۔ ہاں یہ نتیجہ پہلے اس دنیا میں برنگ عذاب ظاہر ہوتا ہے جیسے عاد و ثمود و فرعون کی حالت میں اور آخر کھلا انکشاف اس کا قیامت میں ہوگا، جب تمام مخفی قوتیں اور نتائج ظاہر ہو جائیں گے۔ اور آخر پر پھر تسبیح یا تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی۔ یہ بھی ابتدائی زمانہ کی سورت ہے اور اس کا تعلق پچھلی سورت سے یوں ہے کہ اس میں ایک قانون کی خلاف ورزی کا جو نتیجہ بتایا تھا تو یہاں اس کے متعلق فرمایا کہ وہ نتیجہ ایک حد تک اس دنیا میں اور آخر کامل طور پر قیامت میں ظاہر ہو جائے گا۔

3409۔ **الحاقہ سے مراد:** ﴿اَلْحَآقَّةِ﴾۔ حَاقَقْتُهٗ۔ فَحَقَقْتُهٗ۔ میں نے حق میں اس کے ساتھ جھگڑا کیا اور اس پر غالب آیا اور ﴿اَلْحَآقَّةِ﴾ قیامت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ﴾ [المطففین: 6:83] ''جس دن لوگ کھڑے ہوں گے۔'' سے اس کی تفسیر کی ہے۔ کیونکہ اس میں جزا ثابت ہوگی۔ (غ) [وَالْحَاقَّةُ النَّازِلَةُ وَ هِيَ الدَّاهِيَةُ اَيْضًا] (ل) یعنی حاقہ مصیبت یا بھاری مصیبت کو بھی کہا جاتا ہے اور قیامت کو ﴿اَلْحَآقَّةِ﴾ اس لیے کہا کہ وہ ہر انسان کو خیر یا شر سے کچھ واجب کرے گی یا اس لیے کہ اس میں امور کی حقیقت کھلے گی یا اس لیے کہ اللہ کے دین میں ہر باطل کے ساتھ جھگڑا کرنے پر وہ غالب آئے گی۔ (ل) اور ہر ایک معنی کے لحاظ سے جس طرح یہ لفظ قیامت کبریٰ پر صادق آتا ہے اسی طرح مکذبین کی ہلاکت یا قیامت وسطیٰ پر بھی صادق آتا ہے اور دونوں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ جیسا کہ ایک طرف ثمود اور عاد کی ہلاکت سے مکذبین رسول کی ہلاکت کی طرف اشارہ کیا اور دوسری طرف قیامت کبریٰ کا بھی ذکر کیا۔ اور قیامت وسطیٰ اور قیامت کبریٰ کے لیے ایک نشان کے طور پر قرار دی گئی ہے جیسا کہ ابھی پچھلی سورت میں گزر چکا۔ ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ [القلم: 33:68]

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ — اور تجھے کیا معلوم ہے حق ہو کر رہنے والی کیسی (بات) ہے؟

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ — ثمود اور عاد نے بڑی مصیبت کو جھٹلایا۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ — سو ثمود زور کی کڑک سے ہلاک کیے گئے۔ (3410)

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ — اور عاد سخت آندھی سے ہلاک کر دیئے گئے۔

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا — اس نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن چلائے رکھا، جڑ سے کاٹتی ہوئی۔ سو تو ان لوگوں کو اس میں گرے پڑے

''اسی طرح عذاب آئے گا اور آخرت کا عذاب یقیناً اس سے بڑا ہے۔'' اور راغب نے ﴿مَاۤ اَدْرٰىكَ﴾ اور ﴿مَا يُدْرِيْكَ﴾ میں یہ فرق کیا ہے کہ ﴿مَاۤ اَدْرٰىكَ﴾ جہاں آیا ہے وہاں ساتھ ہی بتا بھی دیا ہے کہ وہ کیا چیز ہے [وَ كُلَّ مَوْضِعَ ذُكِرَ فِي الْقُرْاٰنُ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ فَقَدْ عُقِّبَ بِبَيَانِهٖ] اور اس کی مثالیں دی ہیں۔ ﴿وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ [القارعة: 10-11:101] ''اور تجھے کیا خبر ہے وہ کیا ہے؟ وہ جلتی ہوئی آگ ہے۔'' ﴿وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ﴾ [القدر: 2-3:97] ''اور تجھے کیا خبر ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر بہتر ہے۔'' ﴿وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ﴾ [3] ﴿ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ [الانفطار: 18:82] ''پھر تجھے کیا معلوم ہے جزا کا دن کیا ہے؟'' اور یہاں جس بات کا معاً پیچھے بیان آتا ہے وہ ثمود اور عاد کا جھٹلانا اور ان کا ہلاک کیا جانا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو مکذب قوم کی ہلاکت بھی فی الحقیقت جزا و سزا کے قانون کو ظاہر کر دیتی ہے۔ ہاں قیامت میں انکشاف تام ہے اور یہاں کا انکشاف صرف اہل بصیرت کے لیے ہے۔

3410۔ ﴿طَاغِيَةِ﴾۔ طَغٰی سے ہے اور ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ﴾ [11] میں مراد پانی کا حد سے تجاوز کر جانا ہے اور طَاغِيَةٌ طوفان کی طرف اشارہ ہے اور طَغْوٰی اسم ہے ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَاۤ﴾ [الشمس: 11:91] ''ثمود نے اپنی سرکشی سے (حق کو) جھٹلایا۔'' جس میں یہ تنبیہ ہے کہ جب انہیں ان کی سرکشی کی سزا سے ڈرایا گیا انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ (غ) اور طَغْوٰی کے معنی طُغْيَانٌ بھی کیے گئے ہیں۔ (ل) مگر یہاں ثمود کے طَاغِيَةٌ سے ہلاک ہونے کا ذکر ہے اور ثمود کا عذاب پانی کا طوفان نہ تھا۔ اور زجاج کے نزدیک [طَاغِيَةٌ عَاقِبَةٌ] کی طرح اسم ہے اور مراد طُغْيَانٌ ہے اور قتادہ کے نزدیک اس سے مراد [صَيْحَةُ الْعَذَابِ] ہے۔ (ل) اور بخاری میں طُغْيَانٌ اور سخت آندھی دونوں معنی لیے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ سخت زلزلہ تھا۔ دیکھو ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ [الاعراف: 78:7] ''سو ان کو زلزلہ نے آ پکڑا۔''

صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ ﴿۷﴾

دیکھتا ہے۔ گویا کہ وہ کھوکھلی کھجوروں کے تنے ہیں۔ (3411)

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾

تو کیا تو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے؟

وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ۚ

اور فرعون نے اور انہوں نے جو اس سے پہلے تھے اور الٹی ہوئی بستیوں نے خطا کاریاں کیں۔ (3412)

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾

سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی۔ پس اس نے انہیں بڑا سخت پکڑا۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ۙ

جب پانی حد سے بڑھنے لگا ہم نے تمہیں کشتی پر سوار کیا۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

تا کہ اسے تمہارے لیے نصیحت بنائے اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ۙ

پس جب صور میں ایک پھونک سے پھونکا جائے گا۔

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ۙ

اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے پھر ایک ہی مرتبہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔

3411۔ ﴿حُسُوْمًا﴾۔ حَسْمٌ کسی چیز کا اثر دور کرنا ہے [قَطَعَهُ فَحَسَمَهُ] یعنی اسے کاٹا پھر اس کا مادہ بھی دور کر دیا۔ اور یہاں ﴿حُسُوْمًا﴾ سے مراد ہے ان کے اثر کو مٹانے والی یا ان کی خبر کو مٹانے والی یا ان کی عمروں کو قطع کرنے والی اور یہ سب باتیں اس کے عموم میں داخل ہیں۔ (غ) اور ﴿حُسُوْمًا﴾ کے معنی [اَلدَّائِمَةُ فِي الشَّرِّ] بھی کیے گئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے بھی جن کا اول ان کے آخر سے منقطع نہیں۔ (ل)

﴿صَرْعٰى﴾۔ صَرِيْعٌ کی جمع ہے۔ صَرْعٌ کے معنی زمین پر گرا دینا ہیں اور مَصَارِعَةٌ کشتی ہے۔ (ل)

3412۔ ﴿خَاطِئَةِ﴾۔ خَاطِئٌ وہ ہے جو گناہ کا قصد کرے۔ ﴿اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ﴾ [37] اور کبھی بڑے گناہ کو بھی ﴿خَاطِئَةِ﴾ کہا جاتا ہے۔ (غ)

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾

سو اس دن ہو جانے والی بات ہو جائے گی۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾

اور آسمان پھٹ جائے گا، سو وہ اس دن بودا ہو گا۔ (3413)

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ ؕ

اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور تیرے رب کا عرش اس دن آٹھ اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (3414)

3413۔ ﴿وَاهِيَةٌ﴾۔ وَهٰی چمڑے یا کپڑے میں شق ہو جانا ہے اور ہر ایک چیز کو جس کی مضبوطی ڈھیلی پڑ جائے کہا جاتا ہے وَهِیَ۔ (غ) اور [وَهَى السِّقَاءَ] کے معنی ہیں مشکیزہ پھٹ گیا اور [وَهَى الْحَائِطَ] کے معنی ہیں دیوار کمزور ہو گئی یا گرنے والی ہو گئی۔ (ل)

یہ ذکر احوال قیامت کا ہے اور بظاہر زمین اور پہاڑوں کا یک مرتبہ توڑا جانا اور آسمان کا کمزور پڑ جانا یہ سب موجودہ نظام کے قائم نہ رہنے پر دلالت کرتا ہے۔ کس طرح یہ ہو گا؟ اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

3414۔ ﴿اَرْجَآ﴾۔ رَجَا کی جمع ہے اور کنویں یا آسمان وغیرہ کا رَجَا اس کا کنارہ ہے۔ (غ)

فرشتوں کے کناروں پر ہونے سے کیا مراد ہے؟

بعض نے کہا وہاں پناہ لیں گے، بعض نے کہا نزول کے لیے وہاں اجتماع ہو گا اور ممکن ہے کہ یہ اشارہ ہو کہ وہ ملائکہ جو مدبرات امر ہیں وہ کناروں پر ہوں گے۔ کیونکہ کسی چیز کے کنارہ پر ہونا گویا اس سے الگ ہو جانا ہے۔

حمل عرش سے کیا مراد ہے؟

عرش کے لیے [دیکھو نمبر: 1095] پس حمل عرش سے یہ مراد لینا کہ واقعی کوئی عظیم الشان تخت بنا ہوا ہے جس کو کسی اور نے سہارا دیا ہوا ہے صحیح نہیں۔ وہ اَلْقَيُّوْمُ ہے یعنی ہر چیز کے قیام کا موجب اور کوئی چیز اس کے قیام کا موجب نہیں۔ پس یہاں مراد نفاذ امر کا حمل ہے۔ رہا یہ کہ اس کے حمل کو آٹھ سے کیا تعلق ہے؟ سو اس کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ لیکن چونکہ ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اس عرش کے اٹھانے والے اب چار ہیں اور سورۂ فاتحہ میں چار صفات الٰہی کو سب صفات کے لیے بطور رام قرار دیا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ چار کے لفظ میں انہی چار صفات کی طرف اشارہ ہے جن پر موجودہ نظام عالم کا انحصار ہے۔ یعنی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت۔ اور قیامت کے دن آٹھ کے لفظ میں یہ اشارہ ہو کہ ان چار صفات کا اس دن ایک نیا ظہور ہو گا۔ ان چار صفات پر ہمارے اعمال اور نتائج اعمال کا انحصار ہے۔ اور چونکہ ان اعمال کے نتائج وہاں ایک نئی زندگی کی

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾

اس دن تم پیش کیے جاؤ گے، تمہاری کوئی چھپی بات چھپی نہ رہے گی۔ (3415)

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾

سو جس کی کتاب اس کے (دائیں ہاتھ) میں ملے گی، تو وہ کہے گا لو میری کتاب پڑھو۔ (3416)

اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾

میں جانتا تھا میرا حساب مجھے ملے گا۔

فَهُوَ فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾

سو وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا۔

فِیْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾

بلند باغ میں۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾

جس کے میوے قریب ہیں۔ (3417)

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

خوشگواری سے کھاؤ اور پیو، اس کا بدلہ جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیا۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾

اور جس کی کتاب اس کے بائیں (ہاتھ) میں دی جائے گی تو وہ کہے گا اے کاش! میری کتاب مجھے نہ دی جاتی۔

صورت میں رونما ہوں گے اور وہ نئی زندگی چونکہ موجودہ کیفیت کو اپنے اندر نہیں رکھتی ہوگی، اس لیے وہاں ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت کا بھی ایک نیا رنگ ظاہر ہوگا۔ اور یہ توجیہ حضرت مجدد صد چہار دہم نے کی ہے۔ اور بعض نے ﴿ثَمٰنِيَةٌ﴾ سے مراد آٹھ اصناف یا آٹھ صفوف بھی لی ہیں۔

3415۔ گویا حقائق کا انکشاف کامل ہو جائے گا اور تمام مخفی نتائج اور مخفی قوتیں ظہور پذیر ہو جائیں گی۔

3416۔ ﴿هَآؤُمُ﴾۔ هَا بمعنی اَخَذَ ہے هَاتَ کا نقیض۔ اور هَآؤُمُ اور هَاؤُمَا اور هَاؤُمُوْا آتے ہیں۔ (غ) اور کتابیہ، حسابیہ، مالیہ وغیرہ میں اور ایسا ہی ﴿مَاهِيَهْ﴾ [القارعة: 10:101] ''وہ کیا ہے؟'' میں هَا سکت کے لیے ہے یعنی وقفہ کے لیے۔

3417۔ ﴿قُطُوْفٌ﴾۔ قَطْفٌ پھل کا لینا ہے اور قِطْفٌ وہ پھل ہے جو چنا گیا۔ اس کی جمع ﴿قُطُوْفٌ﴾ ہے۔ (غ)

وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾	اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔
يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾	اے کاش! وہ (موت) کام تمام کرنے والی ہوتی۔ (3418)
مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾	میرے مال نے مجھے کام نہ دیا۔
هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾	میرا غلبہ مجھ سے جاتا رہا۔
خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾	اسے پکڑو، پھر اسے طوق پہناؤ۔
ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾	پھر اسے دوزخ میں داخل کرو۔
ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾	پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی ناپ ستر ہاتھ ہے، اسے جکڑو۔ (3419)
اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾	وہ اللہ (تعالیٰ) عظمت والے پر ایمان نہ لاتا تھا۔
وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾	اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ (3420)
فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾	سو آج اس کے لیے یہاں کوئی دلی دوست نہیں۔
وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾	اور نہ دھوؤں کے سوائے کوئی کھانا ہے۔

3418۔ ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ اشارہ موت کی طرف ہے اور [قَاضِيَةٌ قَاطِعَةٌ] ہے۔ یا مراد ہے کہ دنیا کی زندگی نہ ہوئی ہوتی۔

3419۔ **ستر ہاتھ کی زنجیر:** ﴿سَبْعُوْنَ﴾ کا استعمال عدد کامل کے طور پر ہوتا ہے یعنی ایک لمبی زنجیر میں۔ جس طرح اس نے دنیا کی زندگی میں اپنے آپ کو ایک لمبی زنجیر کے اندر ڈالا ہوا تھا۔ حضرت مجدد نے ایک لطیف بات بیان کی ہے کہ جس طرح انسان کی اوسط عمر ستر سال ہے اسی کے مقابل پر ستر ہاتھ کی زنجیر ہے۔ گویا اس کی ہر کڑی انسان نے اپنے ہاتھ سے تیار کی ہے۔

3420۔ ﴿يَحُضُّ﴾۔ حَضَّ۔ حَثَّ کی طرح ہے یعنی ایک چیز کی ترغیب دلانا۔ (غ)

ع 1 37 5 لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾ سوائے خطا کاروں کے اسے کوئی نہیں کھاتا۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ سو نہیں میں اس کی قسم کھاتا ہوں جو تم دیکھتے ہو۔

وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اور جو تم نہیں دیکھتے۔ (3421)

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وہ یقیناً معزز رسول کا کلام ہے۔

وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ اور وہ شاعر کی بات نہیں، تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔

وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اور نہ کاہن کی بات ہے، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔

وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ اور اگر وہ ہم پر بعض باتیں افترا کے طور پر بنالیتا۔

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ تو ہم ضرور اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیتے۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ (3422)

3421۔ شاہد و غائب کو بطور شہادت پیش کیا ہے یعنی ایسے نشانات صداقت جو تمہیں نظر آ رہے ہیں اور ایسے جو آئندہ دیکھ لو گے۔ اور اس کے جواب میں جو اگلی آیت میں فرمایا کہ وہ رسول کریم کا قول ہے، تو اس سے مراد اکثر کے نزدیک آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔ (ر)

3422۔ ﴿وَتِيْنَ﴾ وہ رگ ہے کہ جب اسے کاٹ دیا جائے تو انسان مر جائے۔

﴿حٰجِزِيْنَ﴾۔ حَجْزٌ۔ دو چیزوں کے درمیان کسی فاصل سے روک ڈالنا ہے۔ ﴿جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا﴾ [النمل: 61:27] ''دو

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾	اور وہ یقیناً متقیوں کے لیے نصیحت ہے۔
وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾	اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے جھٹلانے والے ہیں۔
وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾	اور یقیناً وہ کافروں کے لیے حسرت ہے۔
وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾	اور وہ یقینی حق ہے۔
ع 2 15 6 فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾	سو اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کر۔ (3423)

دریاؤں کے درمیان روک بنائی۔'' اور حِجَازْ شام اور بادیہ کے درمیان روک ہے۔ (غ) اور ﴿اَقَاوِيْلِ﴾ قَوْلٌ یا اَقْوَالٌ کی جمع ہے۔

مفتری پر گرفت

ان چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر افترا کرے اور کہے کہ اسے وحی ہوئی ہے حالانکہ اسے وحی نہیں ہوئی تو ایسے شخص کو وہ زیادہ مہلت نہیں دیتا بلکہ جلد اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ اور اس قانون کو آنحضرت ﷺ کی صداقت پر یہاں بطور دلیل پیش کیا ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ نے صادق کے لیے پرکھ رکھی ہے۔ اگر وہ مفتری پر گرفت نہ کرتا تو نبوت کے معاملہ میں امن اٹھ جاتا۔

3423۔ ان پانچ آیات میں اصل مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اول قرآن کا ذکر ہونا، پھر اس کے جھٹلانے والوں کا ذکر، پھر یہ کہ جھٹلانا ان کے لیے موجب حسرت ہوگا۔ ﴿اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ﴾ میں ضمیر ان کے فعل تکذیب کی طرف جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کا وقوع حق الیقین ہے، اسی لیے اسے شروع میں ﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ کہا تھا۔ اور ان سب کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔ گویا اصل غرض تو تسبیح ہی تھی مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کے لیے دکھ اور حسرت کا آنا یقینی ہے۔

علم کے تین مراتب:

حق الیقین یقین کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اس سے اتر کر عین الیقین، اس سے اتر کر علم الیقین۔ علم الیقین ایسا ہے جیسا دھوئیں سے آگ کے وجود کا یقین۔ عین الیقین گویا اس آگ کا خود دیکھ لینا ہے۔ اور حق الیقین اس کے اندر داخل ہو جانا۔ بدی کے بد نتائج انسان دلیل سے بھی مان سکتا ہے، دیکھ بھی سکتا ہے، لیکن اگر اس طرح فائدہ نہ اٹھائے تو پھر ان کا بھگتنا ضروری ہے۔

اٰیَاتُهَا 44 (70) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ (79) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ — ایک مانگنے والا وہ عذاب مانگتا ہے جو کافروں پر آ کر رہے گا۔

لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ — کوئی اسے ہٹانے والا نہیں۔

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ — اللہ کی طرف سے جو بلند مرتبوں والا ہے۔ (3424)

سورۃ المعارج

تمہید سورت

اس سورہ کا نام اَلْمَعَارِجِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 44 آیتیں ہیں اور اس کا مضمون اس کے نام کے مطابق یہ ہے کہ مومنوں کے لیے جو بعض اعلیٰ درجہ کی صفات کو جن کا ذکر اس سورت میں ہے اپنے اندر لے کر تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ بڑے بڑے بلند مراتب اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہیں۔ اور مخالفین کو بھی یہی سمجھایا ہے کہ کہ وہ بجائے عذاب مانگنے کے ان نیک صفات کو اپنے اندر لیں اور ترقیات روحانی کا مشاہدہ کریں۔ اور آخر پر یہ بھی بتایا ہے کہ آخر کار یہ لوگ اس طرف رجوع کریں گے۔ پچھلی سورت میں اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کا نتیجہ عذاب بتایا تھا تو یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کے مراتب عالیہ کا ذکر ہے۔

3424۔ ﴿اَلْمَعَارِجِ﴾۔ عَرَجَ کے معنی آتے ہیں ترقی کی یا بلند ہوا۔ اور مَعَارِجُ۔ مِعْرَجٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد قتادہ کے نزدیک فواضل اور نعم ہیں۔ (ل) اور مَصَاعِدُ جو اس کے معنی کیے ہیں [نمبر: 2348] اس سے مراد بھی مراتب عالیہ ہی ہیں۔ اور ابن جریر نے ﴿ذِي الْمَعَارِجِ﴾ کے معنی [ذِيْ لِعُلُوِّ وَالدَّرَجَاتْ وَالْفَوَاضِلَ وَالْنِّعَمْ] کیے ہیں اور اس پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کی سند پیش کی ہے۔ اور مراد ﴿ذِي الْمَعَارِجِ﴾ سے یہ ہے کہ اس کے پاس انسان کے لیے بڑے بڑے بلند مراتب ہیں یعنی جو انسان ترقی کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اس کے پاس بڑے بڑے درجات ہیں۔

یہاں سوال کرنے والے کافر ہیں۔ سورۂ قلم میں جو نزول میں دوسری سورت ہے کفار کو صاف وعدہ دیا تھا ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ [القلم: 33:68] ''اسی طرح عذاب آئے گا اور آخرت کا عذاب یقیناً اس سے بڑا ہے۔'' تو اب وہ سوال کرتے ہیں کہ وہ عذاب آتا کیوں نہیں جو اللہ کی طرف سے آنے والا ہے۔ اس کا جواب دیا ہے ﴿لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ﴾ وہ آ کر

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾

فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ایک دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔(3425)

رہے گا۔اور جب آئے گا تو کوئی اسے ہٹا بھی نہ سکے گا۔لیکن یہ اپنے لیے تکلیف کیوں مانگتے ہیں۔اللہ تو ﴿ذِی الْمَعَارِجِ﴾ ہے جس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے انسان بڑے بڑے **بلند درجات** کو حاصل کرسکتا ہے۔

3425۔**روح سے مراد:** ﴿رُوْحُ﴾ کے معنی کئی جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں مفسرین نے ﴿رُوْحُ﴾ کے معنی میں ذیل کے اقوال دیئے ہیں۔

اول: جبریل،

دوم: مجاہد کا قول کہ روح سے مراد ایسے ملائکہ ہیں جو ان ملائکہ کے حق میں جو بنی آدم پر نگہبان کے طور پر مقرر ہیں حفظۃ کا حکم رکھتے ہیں۔گویا جس طرح ہم ان ملائکہ کو نہیں دیکھتے، ملائکہ ان ملائکہ کو نہیں دیکھتے۔

سوم: ایک ملک عظیم الخلقت ہے۔

چہارم: ابوصالح کا قول کہ وہ ایک مخلوق ہے انسان کی طرح، مگر انسان نہیں۔

پنجم: میت کی روح جب قبض کی جائے اور مراد غالباً مومن میت کی روح ہے۔(ر)

یہاں سیاق جس معنی کو چاہتا ہے وہ آخری ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذی المعارج ہونے میں توجہ یہ دلائی تھی کہ کافر عذاب مانگتے ہیں حالانکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کریں تو بڑے بڑے درجات حاصل کر سکتے ہیں۔پس یہاں ﴿رُوْحُ﴾ سے مراد بھی مومنوں کا عروج ہی ہے یعنی ان کی روحانی ترقی۔اور ملائکہ کا ذکر ساتھ اس لیے کیا کہ ملائکہ انسان کے دل میں نیکیوں کے محرک ہیں۔جس طرح اہل نار کے متعلق ان کے قرین یعنی شیطان کا ذکر کیا، اسی طرح مومنوں کے عروج کے ذکر میں ملائکہ کا ذکر ساتھ کیا جو اس عروج میں ان کے معاون ہیں۔اور دوسری جگہ آتا ہے ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ [النبأ: 38:78] ''جس دن روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، وہ کوئی بات نہ کرسکیں گے۔سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ درست بات کہے۔'' اور یہاں بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مراد مومن ہی ہیں۔اور مومنوں کو روح اس لحاظ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی روح یعنی کلام الٰہی سے وہ نئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔جسمانی زندگی میں تو کفار بھی ان کے ساتھ اشتراک رکھتے ہیں بلکہ دیگر حیوانات بھی، لیکن وہ زندگی جو مومنوں کو ملتی ہے صرف کلام الٰہی سے ملتی ہے۔اس لیے ان پر روح کا لفظ بولا ہے۔

پچاس ہزار سال کا دن

رہا یہ کہ ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ سے کیا مراد ہے؟ تو یہ انسان کی ترقیات روحانی کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝۵ — سو صبر کر، خوبیوں سے بھرا ہوا صبر۔ (3426)

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝۶ — وہ اسے دور سمجھتے ہیں۔

وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝۷ — اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔ (3427)

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝۸ — جس دن آسمان تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝۹ — اور پہاڑ اون کی طرح ہو جائیں گے۔ (3428)

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝۱۰ — اور دوست دوست کو نہ پوچھے گا۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝۱۱ — (گو) وہ انہیں دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ کاش وہ اس دن کے عذاب کا (کوئی سا) فدیہ دے سکتا اپنے بیٹے۔

میدان اس قدر وسیع ہے کہ اتنی مدت تک بھی وہ ترقی کرتے چلے جائیں تو وہ ترقیات ختم نہیں ہوتیں اور اس سے مراد بھی محدود کرنا نہیں کہ اس کے بعد کوئی ترقی نہ ہوگی۔ بلکہ یہ تو صرف ایک منزل ترقی ہے اور یا یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کی ترقیات کا وہ زمانہ ایسا وسیع ہے کہ اس کا ایک ایک دن گویا پچاس پچاس ہزار سال کا ہے۔

3426۔ ﴿صَبْرًا جَمِيْلًا﴾۔ جَمِيْلٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 1709] چونکہ یہاں کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر کا ذکر ہے اس لیے ارشاد فرمایا کہ صرف مصائب کو برداشت کر لینا کافی نہیں بلکہ صبر جمیل ہو جس میں سب قسم کی بھلائیاں ہوں اور دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ اور یہاں مراد یہ نہیں کہ صبر کرو آخر قیامت آئے گی، بلکہ کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر مراد ہے۔

3427۔ ﴿يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا﴾ یعنی اس سزا یا عذاب کو بعید سمجھتے ہیں۔ اور بعید سے مراد امکان سے بعید ہے، یعنی سمجھتے ہیں کہ عذاب نہیں آ سکتا۔

3428۔ ﴿عِهْنِ﴾۔ رنگی ہوئی اون کو کہتے ہیں اور رنگ کی خصوصیت ایسی ہی ہے جیسے ﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ [الرحمٰن: 37:55] ''اور سرخ ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑا'' میں۔ (غ) اور بعض کے نزدیک ہر اون کو ﴿عِهْنِ﴾ کہا جاتا ہے۔ (ل) عذاب کے ذکر میں عذاب قیامت کا بالخصوص ذکر کیا ہے۔ اس لیے کہ عذاب دنیا صرف اسی کے لیے بطور پیش خیمہ ہے اور یہی لفظ مجازاً عذاب دنیا پر بھی صادق آتے ہیں۔

وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِیْهِ ﴿۱۲﴾	اور اپنی جورو اور اپنا بھائی۔
وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ﴿۱۳﴾	اور اپنا کنبہ جو اسے پناہ دیتا ہے۔ (3429)
وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ ثُمَّ یُنْجِیْهِ ﴿۱۴﴾	اور سب کوئی جو زمین میں ہیں، پھر یہ اسے چھڑا دے۔
كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾	ہرگز نہیں۔ وہ شعلہ مارتی ہوئی آگ ہے۔
نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾	ہاتھ پاؤں کو کھا جانے والی۔ (3430)
تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۷﴾	اسے بلاتی ہے جو پیٹھ پھیر لیتا ہے اور پھر جاتا ہے۔
وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾	اور جمع کرتا ہے اور بند رکھتا ہے۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾	انسان بے صبر پیدا ہوا ہے۔ (3431)
اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾	جب اسے تکلیف پہنچتی ہے واویلا کرتا ہے۔

3429۔ ﴿فَصِیْلَتِهٖ﴾۔ فَصْلٌ کے معنی جدا کرنا ہیں اور فَصِیْلَةٌ انسان کا کنبہ جو اس سے الگ ہوا ہوا ہے۔ (غ) مطلب یہ کہ جن کی خاطر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی وہ وہاں کام نہ آسکیں گے۔ یہ باتیں اس دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب دونوں پر صادق آتی ہیں۔

3430۔ ﴿لَظٰى﴾ خالص شعلہ کو کہتے ہیں اور آگ کے شعلہ مارنے پر تَلَظّٰی کہا جاتا ہے ﴿نَارًا تَلَظّٰى﴾ [اللیل: 14:92] ''آگ جو شعلے مارتی ہے۔'' اور ﴿لَظٰى﴾ جہنم کا نام ہے۔ (غ)

دوزخ کا طاقت کو سلب کر دینا:

دوزخ کو ﴿نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى﴾ کہا ہے۔ شَوٰی کے لیے [دیکھو نمبر: 1914] اطراف یعنی ہاتھ پاؤں کو سلب کر دینے والی گویا کام کرنے کی طاقت اور چلنے کی طاقت کو سلب کر دیتی ہے۔

3431۔ ﴿هَلُوْعًا﴾۔ هَلَعٌ حرص کو کہتے ہیں یا جزع اور قلت صبر۔ (ل) اور اگلی آیتیں خود تفسیر کرتی ہیں۔ اور انسان سے مراد یہاں وہی کافر انسان ہے جو ﴿جَمَعَ فَاَوْعٰى﴾ کا مصداق ہے کیونکہ مومنوں کو آگے ﴿اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ﴾ میں خود مستثنیٰ کیا ہے اور ﴿خُلِقَ﴾ میں یہ اشارہ ہے کہ اس پر یہ حالت اس قدر غالب ہے کہ گویا پیدا ہی ایسا ہوا ہے۔

وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے (ہاتھ) روک لیتا ہے۔

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ﴿۲۲﴾ مگر نماز پڑھنے والے (ایسے نہیں)۔

الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ ﴿۲۳﴾ جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں۔[3432]

وَ الَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے۔

لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ سوال کرنے والے اور محروم کے لیے۔

وَ الَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۲۶﴾ اور وہ جو جزا و سزا کے دن کی سچائی کو مانتے ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ بے شک ان کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے نڈر نہ ہونا چاہیے۔

وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۳۰﴾ سوائے اپنی بیویوں کے یا ان کے جن کے ان کے دائیں ہاتھ مالک ہیں، تو ان پر ملامت نہیں۔

فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ پھر جو کوئی اس (حد) سے آگے نکلنا چاہتا ہے، تو یہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

3432۔ ﴿دَآىِٕمُوْنَ﴾۔ دَوَامٌ کے اصل معنی سکون ہیں۔ [اَلْمَآءَ الدَّآئِمَ] ساکن پانی کو کہتے ہیں اور [دَامَ الشَّیْءُ] ایک چیز ایک لمبے زمانہ تک رہی۔ ﴿وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ﴾ [المائدۃ: 117:5] ''اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں تھا۔'' ﴿اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآىِٕمًا﴾ [آل عمران: 75:3] ''سوائے اس کے کہ تو اس (کے سر) پر کھڑا رہے۔'' (غ)

وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىِٕمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اور جو اپنی شہادتوں پر قائم ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

ع 1 35 7 اُولٰٓىِٕكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ یہی باغوں میں عزت والے ہیں۔ (3433)

فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿۳۶﴾ مگر انہیں کیا ہوا جو کافر ہیں تیری طرف دوڑے آرہے ہیں۔

عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ﴿۳۷﴾ دائیں (جانب) سے اور بائیں سے گروہ گروہ ہو کر۔ (3434)

3433۔ **کن صفات کو اندر لے کر مومن ترقی کر سکتا ہے:** یہاں جو صفات مومنوں کی بیان کی ہیں ان میں سے بہت سی وہی ہیں جو سورۂ مومنون کی ابتدا میں گزر چکی ہیں۔[دیکھو نمبر: 2249] تا[نمبر: 2253] اور یہ مومنوں کی وہ صفات ہیں جو ان کے تزکیہ و تطہیر کا موجب ہیں۔ اور یہی اصل غرض نزول کتاب اللہ ہے اور انہی صفات کو اپنے اندر لے کر انسان وہ ترقی کرتا ہے اور وہ فضائل حاصل کرتا ہے جن کی طرف ﴿ذِی الْمَعَارِجِ﴾ میں اشارہ ہے۔

3434۔ ﴿عِزِیْنَ﴾۔ عِزَّةٌ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں جماعات متفرقہ اور اس کی اصل عَزَوْتُهٗ سے ہے جس کے معنی ہیں اسے کسی کی طرف منسوب کیا۔ گویا وہ جماعتیں ایسی ہیں جو ایک دوسرے کی طرف منسوب ہیں خواہ عادت میں یا ایک دوسرے کی مدد کرنے میں اور اس سے [اِعْتِزَاءٌ فِی الْحَرْبِ] ہے۔(غ)

کفار کا آخر کار آنحضرت ﷺ کی طرف آنے کی پیشگوئی

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کفار کا آنحضرت ﷺ کے گرد استہزا کے لیے جمع ہونا ہے جب آپ کعبہ میں نماز یا قرآن پڑھتے، مگر ﴿مُهْطِعِیْنَ﴾ میں ذلت یا خوف کا پایا جانا ضروری ہے۔[دیکھو نمبر: 1662] اور ﴿عِزِیْنَ﴾ کا لفظ بھی اس قسم کے اجتماع کا پتہ نہیں دیتا جو استہزا کے لیے ہوتا ہو۔ کیونکہ اس میں متفرق گروہ یا ٹولیاں بننے کی ضرورت نہیں۔ اور دوسری جگہ ہے ﴿مُهْطِعِیْنَ اِلَى الدَّاعِ﴾ [القمر: 8:54] ''پکارنے والے کی طرف دوڑے جاتے ہوں گے۔'' [دیکھو نمبر: 3224] یہاں بھی بطور پیشگوئی اس حالت کا نقشہ کھینچا ہے جب وہی لوگ جو حق کو نیست و نابود کرنے کے درپے تھے، آخر کار گروہ گروہ بن کر دوڑے دوڑے

اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿۳۸﴾

کیاان میں سے ہر شخص آرزو رکھتا ہے کہ نعمتوں والی جنت میں داخل ہو؟

كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

ہرگز نہیں! ہم نے انہیں اس غرض کے لیے پیدا کیا ہے جو وہ جانتے ہیں۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾

سونہیں میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم (اس بات) پر قدرت رکھتے ہیں۔

عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾

کہ بدل کر ان سے بہتر کر دیں اور ہم اس سے عاجز نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور یہ جماعات متفرقہ عرب کے تمام کونوں سے مدینہ میں پہنچیں جس کے لیے ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ﴾ کے لفظ زیادہ موزوں ہیں۔ اسی پیشگوئی کے پورا ہونے پر فرمایا: ﴿وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ [النصر: 2:110] ''اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا'' اور آگے جو فرمایا: ﴿اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ﴾ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محض ان کے منہ سے یہ کہہ دینے پر کہ ہم ایمان لائے جنت نہیں مل جاتی۔ اس لیے کہ اصل غرض تو تزکیہ اور تکمیل نفس ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدات شاقہ اختیار نہ کریں اور اپنے آپ کو ﴿بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ [البقرة: 112:2] ''ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنالیا'' کا مصداق نہ بنائیں۔ اسی کی طرف توجہ دلانے کے لیے فرمایا: ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ﴾ جہاں مِنْ اجل کے لیے ہے اور معنی یوں ہیں [اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِنْ اَجْلِ مَا یَعْلَمُوْنَ وَ هُوَ تَكْمِیْلُ النَّفْسَ بِالْاِیْمَانِ وَالطَّاعَةِ] (ر) گویا انہیں صفات مومنین کی طرف توجہ دلائی ہے جن کا ذکر اوپر کیا۔ اور آگے ﴿نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ﴾ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے اور تبدیلی حالت کی بھی ہوسکتی ہے۔ اور آخری آیت میں ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ کے بعد ﴿ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾ لاکر صاف بتادیا کہ اس عذاب کے دن کا نقشہ ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، جس کا کچھ ذکر ابھی سورۂ قلم میں گزر چکا ہے وہاں بھی ان کی عاجزی اور ذلت کا ذکر تھا۔ اور یہ وہی عاجزی اور ذلت تھی جو رسول اللہ ﷺ کی کامیابی سے انہیں حاصل ہوئی اور جس کے بعد وہ گروہ در گروہ رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے آئے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِیْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

سو انہیں چھوڑ دے، بیہودہ باتوں میں لگے رہیں اور کھیلیں، یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾

جس دن وہ قبروں سے نکل پڑیں گے دوڑتے ہوئے۔ گویا کہ وہ کسی نشان کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔[3435]

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ع 2 9 8

ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ وہ دن ہے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

3435۔ ﴿نُصُبٍ﴾۔ نَصْبٌ کے معنی کسی چیز کا قائم کرنا اور بلند کرنا ہیں اور نَصِیْبَةٌ اور نُصُبٍ ہر چیز ہے جو گاڑی جائے پھر نشان بنا دی جائے۔ اور بعض نے نُصُبٍ کو نَصِیْبَةٌ کی جمع کہا ہے اور وہ علامت ہے جو قوم کے لیے نصب کی جائے۔ (ل) ﴿يُوْفِضُوْنَ﴾۔ وَفِضَ سے ہے اور اِیْفَاضٌ کے معنی اِسْرَاعٌ یعنی جلدی کرنا ہیں۔ (غ)

اٰیَاتُھَا 28 (71) سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَکِّیَّۃٌ (71) رُکُوْعَاتُھَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ①

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا، اس سے پہلے کہ اُن پر دردناک عذاب آجائے۔

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ②

اس نے کہا اے میری قوم! میں تمہارے لیے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَطِیْعُوْنِ ③

کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کا تقویٰ کرو اور میری اطاعت کرو۔

یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُؤَخِّرْكُمْ

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک

سورۃ نوح

تمہید سورت:

اس سورت کا نام ہے نُوْحٍ اور اس میں 2 رکوع اور 28 آیتیں ہیں۔ اور سورت کا نام حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر سے لیا گیا ہے جو اس کا واحد مضمون ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک عرصہ دراز تک لوگوں کو نصیحت کرنے اور حق کی طرف بلانے میں سمجھانا یہ مقصود ہے کہ دنیا کی اصلاح ایک زمانہ چاہتی ہے لوگ ان باتوں کو فوراً قبول نہیں کر لیتے۔ اور آخر کار اس قوم کی ہلاکت میں یہ نشان ہے کہ جو لوگ اس حق کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں قبول نہ کریں گے اور کفر اور بدی پر اصرار کریں گے تو وہ آخر کار ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ پچھلی سورت میں ان بلند مراتب کا ذکر تھا جو انسان حاصل کر سکتا ہے، مگر ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ یہاں سب سے پہلے تاریخی نبی کے حالات میں ایک مثال دی ہے کہ اپنی ترقی کی راہوں سے لوگ کس طرح منہ موڑ رکھتے ہیں۔

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ وقف لازم

مہلت دے گا۔ اللہ کا وقت مقرر جب آجائے تو پیچھے نہیں ڈالا جاسکتا۔ کاش! تم جانتے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ۝۵

اسے نے کہا، اے میرے ربّ! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن بلایا۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝۶

مگر میرے بلانے نے ان کا بھاگنا ہی بڑھایا۔

وَ اِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷

اور جب کبھی میں نے انہیں بلایا کہ تو انہیں بخش دے انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور (کفر پر) اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔

ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸

پھر میں نے انہیں کھلے طور پر بلایا۔

ثُمَّ اِنِّيْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹

پھر میں نے ان سے ظاہر باتیں کیں اور چھپ کر بھی ان سے کہا۔[3436]

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰

میں نے کہا، اپنے ربّ سے بخشش مانگو۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱

وہ تم پر زور کا مینہ برساتا ہوا بادل بھیجے گا۔

3436۔ ﴿اَصَابِعَ﴾۔ اِصْبَعَ کی جمع ہے انگلی۔ ﴿اَعْلَنْتُ﴾۔ اِعْلَانٌ۔ اِسْرَارٌ کی ضد ہے یعنی ظاہر کرنا اور اس کا اکثر استعمال معانی میں ہے نہ اشیاء میں۔ (غ)

وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾

اور تمہیں مال اور بیٹوں سے مدد دے گا اور تمہارے لیے باغ بنائے گا اور تمہارے لیے نہریں بہائے گا۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾

تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ سے عزت کی امید نہیں رکھتے۔

وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

اور اس نے تمہیں مختلف حالات میں سے (گزار کر) پیدا کیا ہے۔ (3436)

اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾

کیا تم نہیں دیکھتے کس طرح اللہ نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا ہے۔

3436(ل) ﴿اَطْوَارًا﴾۔ طَوْرٌ کی جمع ہے اور طَوْرٌ کے معنی تَارَۃٌ بھی آتے ہیں اور حال بھی۔ اور یہاں معنی کیے گئے ہیں [اَحْوَالًا مُّخْتَلِفَةً] اور فراء کا قول ہے کہ اس سے مراد پہلے نطفہ پھر علقہ وغیرہ اور بعض کے نزدیک صورتوں اور اخلاق کا اختلاف مراد ہے۔ (ل)

انسان کا مختلف مراتب سے گزرنا اور مسئلہ ارتقاء:

انسان کی خلق ﴿اَطْوَارًا﴾ سے مراد اس کا مختلف حالات سے گزرنا ہے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، حسن سے مروی ہے۔ (ج) اور یہ حالات مختلفہ وہی ہیں جنہیں قرآن کریم نے مختلف جگہ پر بیان کیا ہے۔ مثلاً پہلے مٹی کی حالت، پھر اس سے کئی حالتوں میں تبدیل ہو کر یعنی نبات کی حالت میں سے گزر کر جس کا ذکر آگے [آیت: 17] میں ہے نطفہ کی شکل، پھر اس کے بعد حالات مختلف۔ اور ہوسکتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے جو حالات مختلف انسان پر گزرے ہوں ان کی طرف اشارہ ہو۔ اور اس حد تک مسئلہ ارتقاء کا مان لینا قرآن کریم کی کسی تصریح کے خلاف نہیں۔ لیکن خود مسئلہ ارتقاء جس صورت میں پیش کیا جاتا ہے اس میں بہت سی فرضی باتیں ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ انسان کو ابتدائی حالت سے موجودہ شکل وصورت تک پہنچنے میں ایک لمبا زمانہ لگا ہو۔ تو ان حالات مختلفہ کی طرف توجہ دلا کر کہ تم کیا تھے اور کن کن حالتوں سے گزار کر تمہیں اس موجودہ حالت تک پہنچایا، یہ توجہ دلائی ہے کہ تم اللہ سے وقار کی امید کیوں نہیں رکھتے، یعنی اس بات کی امید کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اسے بھی **بلند تر مقامات** عطا فرما سکتا ہے۔ اور چونکہ پچھلی سورت کا یہی مضمون تھا اس لیے یہی معنی زیادہ موزوں ہیں۔ اور یہاں یہی توجہ دلائی ہے کہ انسان باوجود اس علم کے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس حالت سے اٹھا کر کس حالت تک پہنچایا ہے آئندہ کے متعلق پھر کیوں یہ امید نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند مقامات عطا فرما سکتا ہے۔

وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

اور چاند کو ان میں نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔

وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾

اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزہ کے طور پر اُگایا۔

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾

پھر وہ تمہیں اس میں لوٹا دے گا اور تمہیں ایک (نئی) پیدائش میں نکال کھڑا کرے گا۔ (3437)

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾

اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو وسیع قطعہ بنایا۔ (3438)

لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ ع 1 20 9

تاکہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلو۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

نوح نے کہا اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کی جس کے مال اور اولاد نے اس کا نقصان ہی بڑھایا۔

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾

اور انہوں نے بڑے بھاری حیلے کیے۔ (3439)

3437۔ **پہلی زندگی اور دوسری زندگی میں فرق:** یعنی پہلی زندگی کی ابتدا تو زمین سے نبات کے رنگ میں ہوتی ہے کیونکہ نبات حیات جسمانی کی ادنیٰ ترین صورت ہے۔ پھر اسی زمین میں انسان کو لوٹایا جاتا ہے، مگر دوبارہ نکالنے کو نبات سے تعبیر نہیں کیا۔ بلکہ ﴿وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا﴾ کہہ کر بتا دیا کہ وہ ایک خاص رنگ کا نکال کر کھڑا کرنا ہے، اس رنگ کی حیوانی زندگی نہیں۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس زمین میں ہی انسان کی ترقی کا اتنا سامان رکھا ہے کہ مٹی کی حالت سے ترقی کر کے وہ اس مرتبہ کو پہنچتا ہے تو دوسری زندگی میں ترقی کے اس سے بھی بلند تر مراتب ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔

3438۔ ﴿بِسَاطًا﴾۔ بَسْطٌ پھیلانا اور بِسَاطٌ ہر پھیلائی ہوئی چیز ہے اور بِسَاطٌ کے معنی وسیع زمین بھی ہیں۔ (غ)

3439۔ ﴿كُبَّارًا﴾۔ كَبِيْرٌ سے بڑھ کر كُبَارٌ اور كُبَارٌ سے بڑھ کر كُبَّارٌ ہے یعنی بہت ہی بڑا۔ (غ)

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۬ۙ وَّ لَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۚ﴿۲۳﴾

اور کہا، اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور ودّ کو نہ چھوڑو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔ (3439)

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

اور انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور تو ظالموں کی ہلاکت ہی بڑھائیو۔

مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

اپنی خطا کاریوں سے وہ غرق کیے گئے، پھر آگ میں داخل کیے گئے۔ سو انہوں نے اللہ کے سوائے کسی کو مددگار نہ پایا۔

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾

اور نوح نے کہا اے میرے ربّ! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑیو۔ (3440)

3439۔ بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے کہ وہی بت جو قوم نوح میں تھے بعد میں ملک عرب میں آ گئے اور وَدّ دومۃ الجندل میں کلب کا بت تھا اور سَوَاعٌ ہذیل کا اور یَغُوْثُ مراد کا تھا پھر بنی غطیف کا ہو گیا جو جوف میں سبا کے پاس ہے اور یَعُوْقُ ہمدان کا تھا اور نَسْرٌ حسیر کا تھا اور یہ اصل میں قوم نوح میں صالح لوگ تھے۔ جب وہ مر گئے تو اس قوم نے ان کے نام کے بت بنا لیے اور پہلے یہ صرف بطور یادگار بنائے گئے تھے بعد میں ان کی پرستش شروع ہو گئی۔ اور ملک عرب میں آ جانے کی روایت سے یہ مراد نہیں کہ وہی بت اٹھا کر وہاں سے لائے گئے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایسے ہی بت اہل عرب نے بھی بنا لیے اور ان کے وہی نام رکھ لیے۔ اور بعض نے کہا وَدّ مرد کی شکل پر، سُوَاعٌ عورت کی شکل پر، یَغُوْثَ شیر کی شکل پر، یَعُوْقَ گھوڑے کی صورت پر اور نَسْرٌ عقاب کی شکل پر تھا۔ مگر پہلی روایت قابل ترجیح ہے۔

3440۔ ﴿دَیَّارًا﴾۔ دَیَّارٌ۔ دَارٌ سے وزن فیعال ہے یعنی ساکن یا بسنے والا۔ (غ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کفر میں اور فسق و فجور میں اس حد تک ترقی کر گئے تھے کہ اگر انہیں تباہ نہ کیا جاتا تو حق کا نام و نشان دنیا سے مٹ جاتا۔

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی سوائے بدکار ناشکروں کے نہ ہوگی۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع 2 8 10

اے میرے رب! میری حفاظت فرما اور میرے ماں باپ کی اور اس کی جو ایمان لا کر میرے گھر میں داخل ہو۔ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی اور ظالموں کی ہلاکت ہی بڑھائیو۔

اٰیَاتُهَا 28 (72) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (40) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾

کہہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ (3441)

سورۃ الجن

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْجِنّ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 28 آیتیں ہیں۔ اور جِنّ سے مراد جیسا کہ [نمبر: 3066] میں دکھایا جا چکا ہے انسان ہی ہیں۔ چونکہ یہ باہر کے لوگ تھے جو اہل عرب کی نظر سے مخفی تھے اس لیے انہیں جِنّ کہا گیا ہے اور یہ جن عیسائی تھے۔ اور اس سورت میں یہ ذکر ہے کہ یہ لوگ بھی آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ چونکہ پچھلی سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر تھا جن کی مخالفت پر قوم اس قدر کمر بستہ ہوئی کہ آخر ان کی ہلاکت کے سوائے اور کوئی رستہ نہ رہا۔ اور اس میں بھی نبی ﷺ کو تسلی دینا تھا کہ حق کن سخت مشکلات کے ساتھ دنیا میں قائم ہوتا ہے۔ تو اب اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ اگر اہل عرب مخالفت کرتے ہیں تو اور لوگ ہیں جو اس پیغام حق کو سن کر قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس میں اسلام کی آئندہ کامیابیوں کی بشارت تھی۔

اس سورت کا نزول آنحضرت ﷺ کی طائف سے واپسی کے وقت کا مانا گیا ہے۔ اگر سورۂ احقاف میں اسی واقعہ کا ذکر سمجھا جائے تو یہی تاریخ نزول ہوگی اور اسی سفر میں ایک عیسائی غلام بھی مسلمان ہوا تھا۔ اور اگر اس میں کسی اور واقعہ کا ذکر ہے [دیکھو نمبر: 3442] تو اس کا زمانہ نزول ابتدائی مکی زمانہ ہوگا، جس زمانہ کی یہ سورتیں بظاہر معلوم ہوتی ہیں۔

3441۔ **مومن جنوں کا نوع انسانی سے ہونا:** اس پر مفصل بحث [نمبر: 3066] میں گزر چکی ہے اور اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور [آیت: 17] میں جو وسعت یا رزق یا مال کثیر کا ذکر ہے وہ بھی بتاتا ہے کہ مراد انسان ہی ہیں اور وہاں ذکر بھی مال کثیر سے آزمانے کا ہے اور مال سے آزمایا جانا انسانوں کے لیے ہے اور ایسا ہی مساجد کا ذکر [آیت: 18] میں اسی کا مؤید ہے۔ اور دوسرا رکوع تو صراحت سے بتا رہا ہے کہ انسانوں کا ہی ذکر ہے جن میں سے کچھ ایمان لاتے اور کچھ مخالفت کرتے ہیں اور انہی مخالفت کرنے والوں کا ذکر پہلے رکوع میں بھی ہے اور دوسرے میں بھی۔ اور یہ امر کہ آنحضرت ﷺ کی طرف وحی ہوئی اس بات کے

يَّهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

وہ بھلائی کی طرف ہدایت کرتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾

اور کہ ہمارے رب کی عظمت بہت بلند ہے۔ اس کی نہ جورو ہے اور نہ بیٹا۔ (3442)

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾

اور کہ ہم میں سے (بعض) بیوقوف اللہ پر حق سے دور بات کہتے تھے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾

اور کہ ہم نے خیال کیا کہ انسان اور جن اللہ (تعالیٰ) پر جھوٹ نہیں بولتے۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾

اور کہ انسانوں میں سے کچھ مرد جنوں میں سے کچھ مردوں کی پناہ پکڑتے تھے۔ سو انہوں نے ان کی سرکشی بڑھائی۔ (3443)

منافی نہیں کہ وہ انسانوں کی طرح ہوں۔ اس لیے کہ یہ وہ واقعات ہیں جو ان لوگوں کو اپنی قوم سے پیش آئے جب وہ واپس گئے جیسا کہ سورۂ الاحقاف میں ذکر ہے ﴿فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ﴾ [الاحقاف: 29:46] ''سو جب تمام ہوا، اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے۔'' اور ان کے نوع انسان ہونے پر [آیت:6] میں لفظ رَجُلٌ کا استعمال بھی شاہد ہے۔ [دیکھو نمبر: 3443]

3442۔ **عیسائی جن:** یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عیسائی ہیں اور ممکن ہے کہ یہ سب ذکر بطور پیشگوئی کے ہو اور مطلب یہ ہو کہ عیسائی اقوام جو بوجہ اپنی عظمت کے کبھی جن کی حیثیت حاصل کر لیں گے آخر ان کا ایک حصہ بھی قرآن کریم کی صداقت پر ایمان لائے گا اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ سورۂ احقاف میں جنوں کا ذکر اور یہ ذکر الگ الگ واقعات ہوں۔ اور اگر ایک ہی واقعہ سمجھا جائے تو ان الفاظ میں اشارہ یہودیوں کے عقیدہ کی طرف ہو سکتا ہے جو عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے۔

3443۔ رَجُلٌ نوع انسان میں سے مرد کو (برخلاف عورت کے) کہا جاتا ہے۔ (ل) اور اس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لفظ رَجُلٌ جنوں کے ذکور پر بھی بولا جا سکتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ذکور جن پر اس کا استعمال درست نہیں۔ (ر)

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

اور کہ انہوں نے خیال کیا جیسے تم خیال کرتے ہو کہ اللہ (تعالیٰ) کسی کو نہیں اٹھائے گا۔ (3444)

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾

اور کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ (3445)

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾

اور کہ ہم اس کے بیٹھنے کی جگہوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ مگر جو کوئی اب سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے شعلہ تیار پاتا ہے۔ (3446)

﴿رَهَقًا﴾۔ [دیکھو نمبر: 1390] اور [آیت: 13] میں عشیان ذلت مراد ہے اور رَهَقٌ کے معنی کذب، حمق، سفاہت، جہالت بھی آتے ہیں۔ (ل)۔

یہاں ﴿رِجَالٌ﴾ کا لفظ جنوں پر لا کر صاف بتا دیا ہے کہ یہ جن نوع انسان سے ہی ہیں جیسا کہ لفظ رجل کی لغت سے ظاہر ہے اور اس مشکل سے بچنے کے لیے بعض لوگوں نے یوں تاویل کی ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں سے پناہ مانگ کر ﴿رِجَالٌ﴾ یعنی انسانوں کی پناہ میں آتے ہیں جو بہت بعید تاویل ہے۔ اور سیدھی بات یہی ہے جیسا کہ [نمبر: 3066] میں دکھایا جا چکا ہے کہ یہ انسانوں کی قسم سے ہی تھے۔ اور چھوٹے آدمیوں کا بڑے آدمیوں کی پناہ تلاش کرنا معمولی بات ہے۔

3444۔ اس کے معنی دونوں طرح پر کیے گئے ہیں۔ یعنی کوئی رسول مبعوث نہیں کرے گا یا مردوں کو موت کے بعد نہیں اٹھائے گا۔

3445۔ ﴿لَمَسْنَا﴾۔ [دیکھو نمبر: 664] لَمْسٌ کے معنی طلب بھی آتے ہیں۔ (غ) اور لَمْسٌ کبھی چیز کا چھونا اور کبھی اس کی معرفت ہوتی ہے۔ اسی سے التماس طلب کے معنی میں ہے۔ (ل) اور یہاں طلب خبر مراد ہے۔ (ر)

﴿حَرَسًا﴾۔ حَرَسٌ اور حُرَّاسٌ۔ حَارِسٌ کی جمع ہے اور وہ محافظ مکان ہے اور اس کا اکثر استعمال مکان کی محافظت پر ہے۔ (غ)

یہاں اشارہ انہی باتوں کی طرف ہے جو کاہن یا اس قسم کے دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں عیسائی ممالک میں سپریچوئلسٹ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ مفصل بحث [نمبر: 1679] میں گزر چکی ہے۔ اور حَرَسٌ سے مراد ہے کہ اخبار غیبی تک ہماری رسائی نہیں۔

3446۔ **شہابوں کا گرنا:** اس آیت پر [نمبر: 1679] کے آخری حصہ میں بحث گزر چکی ہے۔ شہاب آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی گرتے تھے، حالانکہ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہاب جن کا یہاں ذکر ہے ان کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے

وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

اور کہ ہم نہیں جانتے کہ ان کے ساتھ جو زمین میں ہیں برائی کا ارادہ ہوا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآىِٕقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾

اور (بعض) ہم میں سے صالح ہیں اور (بعض) ہم میں سے اس کے سوا ہیں۔ ہم متفرق رستے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ (3447)

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

اور کہ ہمیں یقین ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔ (3448)

ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شہاب آپ کے سامنے گرا تو آپ نے دریافت فرمایا جاہلیت میں شہاب کے گرنے پر تم کیا خیال کرتے تھے؟ تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی مر جائے گا یا پیدا ہوگا۔ اور خود واقعات بھی یہی بتاتے ہیں اور آج تک شہاب گرتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت تو وحی کا نزول نہیں ہو رہا۔ پس ان شہابوں سے مراد وہی ہے جو [نمبر: 1679] میں بیان ہو چکا۔ اور یہ تاویل کہ پہلے حوادث کونی سے ان شہابوں کا تعلق تھا اور آنحضرت ﷺ کی بعثت پر رمی شیاطین کا کام ان سے لیا گیا، بہت دور کی تاویل ہے۔

شیاطین کے آسمانوں سے روکا جانے سے مراد:

اور ایک روایت میں جو آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تین آسمانوں سے شیاطین کو روکا گیا، پھر آنحضرت ﷺ کے وقت سارے آسمانوں سے۔ تو اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کی قوت قدسی نے بدی کے دور دورہ میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا کر دی۔

3447۔ ﴿قِدَدًا﴾۔ قَدّ کے معنی ہیں کسی چیز کا طول میں قطع کرنا ﴿اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ﴾ [یوسف: 26:12] ''اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو۔'' اور اسی لحاظ سے قامت انسان کو قَدّ کہا جاتا ہے اور قِدَدٌ قِدَّةٌ کی جمع ہے اس کے معنی طَرَآىِٕقَ ہیں۔ اور لوگوں کے ایک گروہ کو قِدَّةٌ کہا جاتا ہے اور یہ قِطْعَةٌ کی طرح ہے۔ اور قَدّ حرف ہے جو توقع کے لیے ہے اور وہ جب فعل ماضی پر داخل ہو تو ہر ایسے فعل پر داخل ہوا ہے جس میں تجدد پایا جائے۔ (غ) اور یہاں مراد ﴿طَرَآىِٕقَ﴾ سے [ذَوِیْ طَرَائِقَ] اور قِدَدٌ سے متفرقہ مختلفہ ہیں۔ (ر)

3448۔ ﴿هَرَبًا﴾۔ هَرَبٌ کے معنی قرار یا بھاگنا ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بھاگ کر ہم اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ اور ﴿لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾

اور کہ جب ہم نے ہدایت کو سنا تو اس پر ایمان لائے۔ سو جو کوئی اپنے رب پر ایمان لاتا ہے اسے نقصان کا خوف نہیں نہ ظلم کا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

اور کہ ہم میں سے (بعض) فرمانبردار ہیں اور (بعض) ہم میں سے حق سے پھرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی فرمانبردار ہوتا ہے تو یہی بھلائی کا قصد کرتے ہیں۔ (3449)

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾

اور حق سے پھرنے والے، سو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾

اور کہ اگر وہ سیدھے رستے پر قائم رہتے تو ہم انہیں بہت سا پانی پلاتے۔ (3450)

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾

تاکہ ہم انہیں اس میں آزمائیں اور جو کوئی اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرتا ہے وہ اسے سخت عذاب میں داخل کرتا ہے۔ (3451)

الْاَرْضِ﴾ سے مراد ہوگی کہ مقابلہ کر کے خدا کو نہیں ہرا سکتے۔

3449۔ ﴿تَحَرَّوْا﴾۔ حَرِیٌّ سے ہے اور تَحَرِّیٌ کے معنی ہیں بہتر اور حق چیز کا قصد یا قصد اور طلب میں کوشش اور اس کے خاص کر لینے پُرعزم۔ (ل)

3450۔ ﴿غَدَقًا﴾۔ غَدَقٌ کے معنی کثیر ہیں یعنی بہت پانی۔ اور مراد اس سے وسعت رزق اور مجاہد کے نزدیک مال کثیر ہے۔ (ج)

3451۔ ﴿صَعَدًا﴾۔ صَعُوْدٌ اور صَعَدٌ سے مراد گھاٹی ہوتی ہے (جس پر چڑھا جاتا ہے)۔ اور ہر ایک شاق یعنی دشوار امر پر اس کا استعمال ہوتا ہے ﴿سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا﴾ [المدثر: 17:74] ''میں اسے سخت مشقت میں مبتلا کر دوں گا۔'' اور صَعَدٌ سے مراد بھی شاق ہے۔ (غ) یا اس سے مراد ایسا عذاب ہے جو اس پر غالب آ جائے۔ (ر)

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

اور کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ سو اللہ (تعالیٰ) کے ساتھ اور کسی کو نہ پکارو۔

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ ع 1 19 11

اور کہ جب اللہ کا بندہ اسے پکارتا ہوا اٹھا تو قریب تھا کہ اس پر ہجوم کر (کے اسے مار) دیں۔ (3452)

قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾

کہہ، میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

کہہ، میں تمہارے لیے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ بھلائی کا۔

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾

کہہ، مجھے اللہ کے مقابل پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں سے چھوڑ کر کوئی جائے پناہ پا سکتا ہوں۔ (3453)

3452۔ ﴿لِبَدًا﴾۔ [لَبَدَ بِالْمَكَانَ] یعنی مکان میں ٹھہر گیا یا اس سے لگ گیا اور لِبْدَةٌ یا لُبْدَةٌ بال یا اون ہیں ایک دوسرے سے چسپاں کیے ہوئے۔ اور لُبَادَةٌ ایسے بالوں کی قبا ہے اور [مَالٌ لُبَدٌ] کثیر مال کو کہتے ہیں جس کے ختم ہو جانے کا خوف نہ ہو۔ گویا اس کا بعض بعض پر چڑھا ہوا ہے ﴿اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ [البلد: 6:90] ''میں نے بہت سا مال برباد کر دیا۔'' اور لِبْدَةٌ یا لُبْدَةٌ لوگوں کی جماعت ہے گویا وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اور لِبْدٌ لِبْدَةٌ کی جمع ہے اور ﴿لِبَدًا﴾ کے یہاں معنی ہیں بعض بعض پر جمع ہوئے ہوئے۔ (ل)

حسن اور قتادہ کے نزدیک یہاں ﴿كَادُوْا﴾ کی ضمیر کفار قریش کی طرف ہے یعنی آپ کے امر کے ابطال کے لیے اکٹھے ہو کر آپ پر گر پڑتے ہیں اور بعض نے مراد وہی جن لیے ہیں مگر ان کی تعداد تھوڑی تھی اور بعض نے مومنوں کا نماز میں آپ کا اتباع کرنا مراد لیا ہے۔ مگر یہ بھی بعید تاویل ہے۔ اور ابن جریر نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور یہی بلحاظ سیاق بھی درست ہے۔ اور اس صورت میں ﴿قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ سے مراد [قِيَامُ بِالرِّسَالَةِ] ہے۔

3453۔ ﴿مُلْتَحَدًا﴾۔ لَحَدَ اور اِلْحَادَ [دیکھو نمبر: 1786] اِلْتَحَدَ کے معنی ہیں مائل ہوا۔ پس مُلْتَحَدَ پناہ یا جائے پناہ ہیں۔ (غ)

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

ہاں اللہ کی طرف سے (احکام کا) پہنچا دینا اور اس کے پیغام ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ (3454)

حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

یہاں تک کہ جب اسے دیکھیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو جان لیں گے کہ مددگار کس کا کمزور ہے اور گنتی میں (کون) تھوڑے ہیں۔ (3455)

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

کہہ، میں نہیں جانتا کہ وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے قریب ہے یا میرا ربّ اس کی مدت لمبی کر دے گا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

غیب کا جاننے والا، سو وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

ہاں جسے رسول بنانا پسند کرے (3456) سو وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے پہرہ لگا دیتا ہے۔

3454۔ ﴿اِلَّا﴾ کس سے استثنا ہے۔ ایک قول میں ﴿لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا﴾ سے اور ایک قول میں ﴿مُلْتَحَدًا﴾ سے۔ اور دونوں صورتوں میں اسے استثنائے منقطع قرار دینا ہی بہتر ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ صورت اول میں یوں معنی ہوں گے کہ میں نقصان و نفع کا مالک تو نہیں، میرا کام احکام الٰہی کا پہنچا دینا ہے۔ دوسری صورت میں یوں کہ میں اللہ کو چھوڑ کر کوئی جائے پناہ نہیں پا سکتا، میرا کام اس کے احکام کو پہنچا دینا ہے۔

3455۔ ﴿اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ﴾ اسی دنیا کے عذاب کے وعدے کے متعلق ہے۔ کیونکہ مددگار کی کمزوری اور قلت عدد کا سوال یہیں پیدا ہوتا ہے۔ ابوسفیان نے آخر مکہ کی فتح کے وقت اقرار کیا کہ ان کے بت ان کی کچھ مدد نہ کر سکے۔

3456۔ ﴿یُظْهِرُ﴾۔ [دیکھو نمبر: 1286] [اَظْهَرَ عَلَى الشَّیْءِ] کے معنی ہیں [غَلَبَهٗ وَ عَلَاهُ] یعنی اس پر غالب آیا اور اس پر علو حاصل

کیا۔ ﴿فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ﴾ [الصف: 14:61] ''سو وہ غالب ہوگئے۔'' کے معنی ہیں غالب ہوگئے۔ [اَظْهَرَاللّٰهُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ] یعنی اللہ نے مسلمانوں کو کافروں پر غالب کیا۔ اور [اَظْهَرَنِیَ اللّٰهُ عَلٰى مَا سَرَقَ مِنِّیْ] یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دے دی۔ (ل) اور یہاں مراد اِظْهَارٌ سے کامل طور پر اطلاع دے دینا ہے جس سے سارا حال اتم وجہ پر ظاہر ہوجائے۔ (ر)

رسولوں پر کامل انکشاف غیب نہیں ہوتا:

اوپر ذکر تھا کہ کفار آخر کار اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں مغلوب پائیں گے جنہیں تھوڑے اور کمزور سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری آیت میں فرمایا کہ یہ مجھے علم نہیں دیا گیا کہ وہ کفار کی مغلوبیت کا وقت جلد آنے والا ہے یا کچھ وقت کے بعد۔ اور اس کی وجہ یوں دی کہ عالم الغیب غیب کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا﴾ غیب پر وہ کامل غلبہ جو اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی یہی حالت ہے۔ وہ قدرت کاملہ رکھتا ہے اور اپنی قدرت سے کچھ حصہ انسان کو عطا کرتا ہے، قدرت کامل نہیں دیتا۔ وہ علم تام رکھتا ہے اور اپنے علم میں سے تھوڑا سا انسان کو دیتا ہے، سارا علم نہیں دیتا۔ اسی طرح پر وہ علم غیب پر کامل طور پر حاوی ہے اور اس علم غیب میں سے کچھ حصہ انسان پر ظاہر کرتا ہے، کامل طور پر اسے علم غیب نہیں دیتا۔ اسی لیے جب رسولوں پر کچھ پیشگوئیوں کا اظہار فرماتا ہے تو ایک حصہ منکشف کرتا ہے ایک مخفی رکھتا ہے، یہ عین اس کی صفت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ اور آگے ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ میں اِلَّا استثنائے منقطع ہے یعنی رسولوں کو جس قدر علم چاہتا ہے دیتا ہے، سارا انہیں بھی نہیں دیتا۔ [وَلٰكِنِ الرَّسُوْلَ الْمُرْتَضٰى يُظْهِرُهٗ جَلَّ وَ عَلَا عَلٰى بَعْضَ الْغُيُوْبِ الْمُتَعَلِّقَةُ بِرِسَالَتِهٖ] (ر) بلحاظ سیاق سوائے اس معنی کے اور کوئی معنی درست نہیں۔

غیر رسول کو غیب پر اطلاع ملنا:

یہ سوال کہ سوائے رسولوں کے بھی کوئی غیب کی بات کسی پر ظاہر کرتا ہے یا نہیں؟ سو یہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ظاہر ہے جیسے ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [یونس: 64:10] ''ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔'' یا حدیث سے جہاں فرمایا: [رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوا اَنْبِيَاءَ] (صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب: مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، حديث: 3689م) یا [لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ] (صحيح البخاری، كتاب التعبير، باب: الْمُبَشِّرَاتِ، حديث: 6990) اور اگر اظہار علی الغیب سے کثرت انکشاف مراد لے لیا جائے تو لفظ رسول میں رسول کے کامل متبعین بھی داخل ہوسکتے ہیں جن کو باتباع رسول اس نعمت سے کچھ حصہ ملتا ہے۔ مگر نہ اس قدر جیسا کہ متبوع کو۔ اس صورت میں بھی یہ آیت تو صرف رسولوں کے متعلق ہوگی، لیکن ضمنی طور پر اس میں رسولوں کے کامل متبعین بھی داخل ہوجائیں گے۔

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع 2 9 12

تا کہ (انہیں) علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغاموں کو پہنچا دیا ہے اور وہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو ان کے پاس ہے۔ اور ہر چیز اس نے گن کر محفوظ کر رکھی ہے۔ (3457)

3457۔ ﴿رَصَدًا﴾۔ [دیکھو نمبر: 1266] اور رَصَدٌ اکیلے پہرہ دینے والے کو بھی کہا جاتا ہے (اور جماعت کو راصدین) اور اکیلے مَرْصُوْدٌ اور جماعت کو بھی۔ (غ)

یہاں ﴿يَعْلَمَ﴾ میں ضمیر کس کی طرف ہے اور مراد کیا ہے؟ ایک قول ہے کہ تا رسول جان لے کہ پہلے رسولوں نے اپنے رب کی رسالتوں کو پہنچا دیا، دوسرا ہے کہ تا مشرک جان لیں [لِيَعْلَمَ الْمُشْرِكُوْنَ] کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دیا۔ اور تیسرا ہے کہ تا آنحضرت ﷺ جان لیں کہ ملائکہ نے اپنے رب کی رسالتوں کو پہنچا دیا۔ (ج) اور ابن جریر اول کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن دوسرا قول میرے نزدیک قابل ترجیح ہے۔ اس لیے کہ اصل غرض تو مخالفین پر اتمام حجت تھی اور اس سورت میں مخالفین کا ذکر اسی طرح آیا ہے۔ اور ﴿اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ﴾ بھی مخالفین کے متعلق ہی ہو سکتا ہے۔ اور **رسول کے آگے پیچھے پہرہ لگانے سے مراد** صرف یہ ہے کہ رسول کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اور کوئی اسے ہلاک نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ آخر کار مخالفوں کو بھی یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ اس کی حفاظت کرنے والا خدا ہے اور کہ اس نے اپنے پیغام کو پہنچا دیا۔

اٰیَاتُهَا 20 (73) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (3) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ — اے کپڑا اوڑھنے والے۔ (3458)

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ — رات کو قیام کر سوائے تھوڑے (حصے) کے۔

نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ — (یعنی) اس کا آدھا یا اس سے کچھ کم کر۔

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ — یا اس پر بڑھا لے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ (3459)

سورۃ المزمل

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْمُزَّمِّلِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 20 آیتیں ہیں۔ اور مُزَّمِّلِ کے معنی ہیں لباس اوڑھنے والا اور اشارہ نماز کی تیاری کی طرف ہے۔ اور اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ بلحاظ قیام و بلحاظ حضور قلب رات کی نماز یعنی نماز تہجد بہترین نماز ہے اور اس سے انسان میں قوت عملی پیدا ہوتی ہے اور اس کے قول میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ گویا نماز انسان میں اعلیٰ درجہ کا حسن روحانی پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں نماز کو مومن کا معراج کہا گیا ہے اور اس میں اشارہ یہ ہے کہ تعلق باللہ سے ہی جس کے لیے نماز ایک ذریعہ ہے انسان کا قدم ترقی کی طرف اٹھتا ہے۔ اس سورت کے زمانہ نزول کے متعلق کہا گیا ہے کہ اِقْرَأ کے بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی اور اس کے بعد مزمل۔ گو یہ ترتیب صحیح نہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ سورۂ مزمل ابتدائی مکی زمانہ کی نازل شدہ ہے۔

3458۔ ﴿مُزَّمِّلُ﴾۔ زَمَلَ کے معنی ہیں دوڑا اور جلدی کی اور [زَمَّلَ الشَّیْءَ] کے معنی ہیں اسے چھپایا اور تَزَمَّلَ کپڑوں کا لپیٹ لینا ہے۔ اور مُزَّمِّلُ اصل میں مُتَزَمِّلُ ہے یعنی اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ لینے والا۔ (ل) اور قتادہ کے نزدیک تیاری نماز کے لیے اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ لینے والا مراد ہے۔ اور عکرمہ کے نزدیک امر نبوت و رسالت کا تَزَمَّلُ مراد ہے۔ (ج)

3459۔ ﴿نِّصْفَ﴾ کسی چیز کا آدھا ہے اور اسی سے انصاف ہے۔ گویا وہ جتنا فائدہ دوسرے سے اٹھاتا ہے اسی قدر دوسرے کو پہنچاتا ہے۔ (غ) اور ﴿قُمِ﴾ میں حکم قیام سے مراد نماز یا عبادت ہے اور ﴿نِّصْفَهٗۤ﴾ پہلے ﴿قَلِيْلًا﴾ سے بدل ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝۵

ہم تجھ پر ایک بھاری بوجھ ڈالیں گے۔ (3460)

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ۝۶

بے شک رات کا اٹھنا (نفس کو) زیادہ روندنے والا اور بات کو زیادہ درست رکھنے والا ہے۔ (3461)

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝۷

دن کو تیرے لیے لمبا شغل ہے۔

3460۔ ﴿ثَقِیْلًا﴾۔ [قَوْلٌ ثَقِیْلٌ] سے مراد یہاں وحی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر اتاری گئی اور اسے ثَقِیْلٌ اس کے عظیم الشان مرتبہ کی وجہ سے اور اس کی عظیم الشان جلالت کی وجہ سے کہا ہے۔ اور وہ سفسفہ کی قسم کا کلام نہیں جس کا استخفاف کیا جا سکتا ہے۔ ہر ایک نفیس اور بیش بہا چیز کو ثقیل کہا جاتا ہے۔ (ل) اور **وحی جب آتی تھی تو رسول اللہ ﷺ کی حالت متغیر ہو جاتی تھی** یہاں تک ایک حدیث میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ انہوں نے کہا قریب تھا کہ میری ران کچلی جائے جس کے اوپر نشست میں رسول اللہ ﷺ کی ران تھی اور اس حالت میں نزول وحی شروع ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اونٹنی پر آپ سوار ہوتے تو اونٹنی بوجھ سے ٹھہر جاتی اور ایک میں ہے کہ سخت ترین سردی کے دن میں آپ کی پیشانی پر پسینہ چل پڑتا۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ نزول وحی کی خاص کیفیت تھی اور یہ کوئی فرضی بات نہ تھی۔

3461۔ ﴿وَطْاً﴾۔ وَطْأٌ کے اصل معنی پامال کرنا ہیں اور یہاں بعض نے وِطْأً پڑھا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی مُوَاطَأَةٌ یا موافقت ہیں یعنی زبان اور دل کی موافقت۔ اور ﴿وَطْأً﴾ کے معنی قیام ہوں گے یعنی قیام میں زیادہ مضبوطی پیدا کرنے والا۔ [اَثْبَتَ قِیَامًا] (ل)۔ ﴿نَاشِئَةَ الَّیْلِ﴾ دیکھو [نمبر: 2987] اور بعض نے اس کے معنی کیے ہیں وہ نفس جو رات کو اپنی خواب گاہ سے عبادت کے لیے اُٹھتا ہے اور مجاہد نے اور صدیقہ نے اس قیام کو سو کر اٹھنے کے بعد جو قیام ہو اس سے مخصوص کیا ہے۔ گویا یہی منشا لیل کی طرف اضافت کا ہے۔ (ر) مطلب یہ ہے کہ رات کو عبادت کے لیے اٹھنا قیام کی غرض کو زیادہ عمدگی سے پورا کرنے والا ہے۔ اور قول میں درست تر ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس میں حضور قلب بھی ہوتا ہے۔

تہجد کی برکات:

یا مراد یہ ہے کہ شب بیداری سے انسان میں قوت عمل بھی مضبوط ہوتی ہے اور اس کی بات بھی زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کی ضرورت اصلاح خلق کے لیے ہے۔ یعنی انسان کے اندر خود قوت عمل کا ہونا اور اس کی بات کا مؤثر ہونا اور یہ دونوں صفات نماز تہجد سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے جب پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم تیری طرف عظیم الشان وحی بھیج رہے ہیں جس کی غرض اصلاح عالم ہے تو اب اس غرض کو پورا کرنے کے لیے یہ طریق بتایا اور اس سے اگلی آیت میں بتایا کہ دن کے وقت وعظ و نصیحت اور لوگوں کی تعلیم کا شغل بھی ہے۔ اس لیے اپنی قوت عمل اور تاثیر کو بڑھانے کے لیے رات کا وقت ہے۔ جو شخص تہجد کو اپنی عادت کر لیتا ہے اس میں یہ خوبیاں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸

اور اپنے رب کے نام کی بڑائی کر اور (سب سے) الگ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔ (3462)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝۹

مشرق اور مغرب کا رب ہے۔ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں، سو اسے کارساز بنا۔

وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰

اور اس پر صبر کر جو یہ کہتے ہیں اور خوبی سے کنارہ کشی کرتا ہوا انہیں چھوڑ دے۔

وَ ذَرْنِيْ وَ الْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝۱۱

اور مجھے چھوڑ دے اور صاحب دولت جھٹلانے والوں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے۔ (3463)

اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ۝۱۲ۙ

ہمارے پاس بیڑیاں اور جلتی ہوئی آگ ہے۔

وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳ۙ

اور گلا گھونٹ دینے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ (3464)

3462۔ ﴿تَبَتَّلْ﴾۔ بَتْلٌ کے معنی قطع ہیں اور تَبَتُّلْ دنیا سے انقطاع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا ہے اور یہی معنی تَبْتِيْلٌ کے ہیں۔ اور تَبَتُّلْ کے معنی عورتوں سے قطع تعلق اور ترک نکاح بھی ہے اور اس معنی میں اسلام میں کوئی تَبَتُّلْ نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے [لَا رَهْبَانِيَّةَ وَلَا تَبَتُّلَ فِي الْإِسْلَامِ] (تفسير روح البيان، سورة المزمل، جلد: 10، صفحه: 162) اور بَتُوْلٌ کے معنی ایسی عورت بھی ہیں جو تزویج سے منقطع ہو اور ایسی بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع ہو۔ (ل) اور یہاں معنی عبادت میں انقطاع اور اخلاص نیت ہیں اور یہی اشارہ ﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ﴾ [الانعام: 91:6] ''پھر ان کو چھوڑ دے۔'' میں ہے۔ (غ) اور مراد یہ ہے کہ تمام دوسرے اشغال کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنے میں لگ جاؤ۔

3463۔ ان کو چھوڑ دینے سے مراد وہی ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا ہے اور ﴿ذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ﴾ یعنی میں ان کی سزا دہی کے لیے کافی ہوں۔

3464۔ ﴿اَنْكَالٌ﴾۔ نِكْلٌ کی جمع ہے اور یہ چار پائے کی قید (یعنی نکیل جسے منہ میں ڈال کر اسے قابو کیا جاتا ہے) یا لگام کا لوہا ہے کیونکہ وہ روک لیتی ہے۔ اور [نَكَلَ عَنِ الشَّيْءِ] کے معنی ہیں کمزور ہو گیا اور عاجز آ گیا۔ (غ)۔ ﴿غُصَّةٍ﴾ وہ ہڈی ہے جس سے حلق بند ہو جاتا ہے۔ (غ)

یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ وَ کَانَتِ الۡجِبَالُ کَثِیۡبًا مَّہِیۡلًا ﴿۱۴﴾	جس دن زمین اور پہاڑ کانپ اٹھیں گے اور پہاڑ پراگندہ ریت کا تودہ ہو جائیں گے۔(3465)
اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ﴿ؕ۱۵﴾	ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے (جو) تم پر گواہ ہے، جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔(3466)
فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ﴿۱۶﴾	تو فرعون نے رسول کی نافرمانی کی، سو ہم نے اسے سخت وبال میں پکڑا۔(3467)
فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا ﴿٭ۖ۱۷﴾	سو اگر تم انکار کرو تو اس دن سے کس طرح بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔
السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِہٖ ؕ کَانَ وَعۡدُہٗ مَفۡعُوۡلًا ﴿۱۸﴾	آسمان اس سے پھٹ پڑنے والا ہے، اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

3465۔﴿کَثِیۡبٌ﴾۔ کَثَبَ کے معنی قرب ہیں اور پھر اجتماع کے معنی میں آتا ہے اور ﴿کَثِیۡبٌ﴾ ریت کے تودہ کو کہتے ہیں، جمع کُثُبٌ ہے۔(ل)۔﴿مَّہِیۡلًا﴾۔ [ھَالَ عَلَیۡہِ التُّرَابٌ] اس پر مٹی ڈالی۔ اور ھَیۡلٌ وہ ریت ہے جو اپنی جگہ پر نہ رہے اور یہی مَہِیۡلٌ ہے۔(ل)

3466۔سورۂ مزمل کا نزول نہایت ابتدائی زمانہ کا ہے۔ اس وقت بھی کس صراحت سے **آنحضرت ﷺ کو مثیل موسیٰ کی پیشگوئی کا مصداق** ٹھہرایا ہے۔ دیکھو [استثنا: 18:18] ''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔'' دنیا کی تاریخ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے سوائے کسی نبی نے موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

3467۔فرعون بوجہ انکار موسیٰ علیہ السلام اسی دنیا میں پکڑا گیا، اسی لیے مثیل موسیٰ کا ذکر کر کے فرعون کے مثیلوں کو خطاب کیا کہ تم ایسے ہی گرفت کے دن سے کس طرح بچ سکتے ہو۔ اور بچوں کو بوڑھا کرنے والا دن بوجہ اپنے اہوال کے ہے کیونکہ وہ کفار کی ذلت کا دن ہے۔ قیامت کے دن میں بچے بوڑھے نہ ہوں گے وہ ایک ہی حالت پر رہیں گے۔ اور فرعون کی گرفت کا ذکر صاف قرینہ ہے کہ یہاں بھی اس دنیا میں گرفت ہی مراد ہے۔ اور ﴿السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِہٖ﴾ آسمان کے اس سے پھٹ پڑنے سے مراد اس کا ظاہر ہونا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع 1 19 13

یہ ایک نصیحت ہے۔ سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع 2 1 14

تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب قیام کرتا ہے اور (کبھی) اس کا نصف اور (کبھی) اس کی تہائی اور ان میں سے بھی ایک گروہ جو تیرے ساتھ ہیں۔ اور اللہ رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ تم اس کی حفاظت نہ کرسکو گے، سو وہ تم پر رجوع (برحمت) کرتا ہے۔ سو قرآن سے جو بآسانی پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں سے بیمار ہوں گے اور جو زمین میں سفر کریں گے اللہ (تعالیٰ) کے فضل کو تلاش کرتے ہوں گے اور جو اللہ (تعالیٰ) کی راہ میں جنگ کریں گے۔ سو پڑھو جو اس سے بآسانی پڑھ سکو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ (تعالیٰ) کے لیے اچھے عمل کرو۔ اور جو کچھ تم اپنی جانوں کے لیے نیکی سے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے، بہتر اور اجر میں بڑھ کر۔ اور اللہ کی حفاظت چاہو، اللہ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (3468)

3468۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کے پہلے اور آخری حصہ کے نزول میں بارہ مہینے کا وقفہ تھا۔ اور اس آخری حصہ میں بتایا کہ قیام لیل کا حکم وجوب کے طور پر ہے اور حسب استطاعت ہے۔ بیماری، سفر جہاد کو بطور عذر بیان کیا اور ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ میں بتایا کہ جس قدر انسان سہولت سے رات کو اٹھ سکے اٹھے۔ اور ﴿تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا﴾ میں ﴿خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا﴾ مفعول ثانی ہے اور هُوَ کی ضمیر فصل کے لیے ہے۔

اٰیَاتُهَا 56 (74) سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّةٌ (4) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ اے چادر اوڑھنے والے۔ (3469)

سورۃ المدثر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْمُدَّثِّرُ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 56 آیتیں ہیں اور کپڑا اوڑھنے والے نبی کریم ﷺ ہیں جیسے پچھلی سورت میں۔ اور اس میں آپ کو انذار کے لیے مامور کیا ہے اور اعدائے حق کو حق کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔ پچھلی سورت میں نماز کے ذریعہ سے تکمیل نفس کا ذکر ہے اور تکمیل نفس کے بعد گویا اب بتایا ہے کہ اوروں کی تکمیل کرو۔ حالانکہ نزول میں ان سورتوں کی ترتیب اور ہے، یعنی سورۂ مدثر پہلے کی ہے اور مزمل بعد کی۔ مگر یہاں بلحاظ مضمون ان کی ترتیب رکھی ہے۔ گویا پہلے اپنے نفس کی تکمیل کی فکر کرو پھر دوسروں کی تکمیل کی طرف متوجہ ہو۔

زمانہ نزول اس سورت کا یقینی طور پر ابتدائی ہے، بلکہ بعد فترت یہ پہلی سورت ہے۔ **فترت کے زمانہ سے مراد** وہ زمانہ ہے جس میں پہلی وحی اقرا نازل ہو کر پھر وحی کا آنا کچھ عرصہ کے لیے رک گیا، غالباً یہ عرصہ کوئی چھ ماہ کے قریب تھا۔ اور اس فترت میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ وحی کی عظمت اور جلال کی برداشت کی قوت نبی کریم ﷺ میں پیدا ہو اور بتدریج اس پُرعظمت اور پُرجلال نظارے سے آپ کی طبیعت مانوس ہو۔ پھر نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ایک نہایت لمبا زمانہ فترت وحی کا دنیا پر گزرا یعنی چھ کامل صدیاں، جس کی نظیر پہلے کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ اور یہ زمانہ فترت ایسا ہی تھا جیسے ایک لمبا عرصہ امساک باراں اور گرمی کا عظیم الشان بارش کے لیے پیش خیمہ ہوتا ہے۔

3469۔ ﴿مُدَّثِّرُ﴾۔ دُثُوْرٌ کے اصل معنی دُرُوْسٌ یا مٹانا ہیں جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے [دَثَرَ مَكَانُ الْبَيْتِ فَلَمْ يَحُجَّهُ هُوْدٌ] (جمع الجوامع أو الجامع الكبير، باب: حرف الدال، جلد: 1، صفحه: 12395) یعنی خانہ کعبہ کا نشان مٹ گیا۔ اس لیے حضرت ہود علیہ السلام نے اس کا حج نہیں کیا اور [تَدَثَّرَ بِالثَّوْبِ] کے معنی ہیں کپڑے میں داخل ہو کر اپنے آپ کو اس میں لپیٹ لیا اور دِثَارٌ وہ کپڑا ہے جو اندر کے کپڑوں کے اوپر سے پہنا جائے۔ انصار کے متعلق حدیث میں ہے [أَنْتُمُ الشِّعَارُ وَالنَّاسُ الدِّثَارُ] (مسند احمد، جلد 28، صفحه 457) یعنی تم اندر کے لباس کی مانند یا خواص ہو اور لوگ اوپر کے لباس کی مانند یا عوام ہیں۔ اور مُدَّثِّرُ اصل میں مُتَدَثِّرُ ہے یعنی سونے کے وقت کپڑا اوپر لے لینے والا۔ (ل) اور اس کے معنی بعض نے

قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲	اُٹھ اور ڈرا۔
وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳	اور اپنے رب کی بڑائی کر۔
وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴	اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ۔ (3470)
وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵	اور ناپاکی سے دُور رہ۔ (3471)

کیے ہیں سونے کے لیے کپڑا اوڑھنے والا۔ اور بعض نے نبوت اور اس کی ذمہ داریوں کے لباس کو اوڑھنے والا۔ (ج)

صحیح احادیث سے بلکہ احادیث کے اتفاق سے ثابت ہے کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ سب سے **پہلی وحی ہے جو فترت الوحی کے بعد نازل ہوئی**۔ یعنی پہلی وحی اِقْرَاْ تھی، اس کے بعد وحی کچھ عرصہ کے لیے رکی رہی۔ پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ آپ نے آسمان سے ایک آواز سنی اور وہی فرشتہ دیکھا جسے آپ نے غار حرا میں دیکھا تھا، تو آپ اس کے رعب سے سخت خائف ہوئے اور گھر میں آئے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے کپڑا اڑھا دو، تب نازل ہوا ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾۔ یہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح بخاری میں ہے۔ اور بعض نے جو اسے اِقْرَاْ کے مقابل میں سب سے پہلی وحی کہا ہے تو ان کو غلطی لگی ہے۔ یہ فترت کے بعد پہلی وحی تھی اور مُدَّثِّرُ کا خطاب بلحاظ حالات ظاہری بھی صحیح ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ اور مطلب اس سے یہ ہے کہ آپ مرعوب ہو کر کپڑا کیوں اوڑھتے ہیں، اٹھو اور مخلوق خدا کو بدی کے بدنتائج سے ڈراؤ اور دوسرے معنی صحیح ہیں۔ یعنی آپ کو جو لباس نبوت اور کمالات نفسی کا لباس اڑھایا گیا ہے تو اب اٹھو اور اپنے کام میں لگ جاؤ اور دوسروں میں بھی یہ کمالات پیدا کرو۔

3470۔ ﴿ثِيَابَ﴾۔ ثَوْبٌ کی جمع ہے، جس کے معنی کپڑا ہیں۔ اور یہاں ﴿ثِيَابَ﴾ سے مراد لباس بھی ہو سکتا ہے اور نفس سے کنایہ بھی ہو سکتا ہے۔ (غ)

[تَطْهِيْرَ ثِيَابٌ] کے معنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ سے مروی ہیں اللہ کی معصیت پر لباس مت اوڑھ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہ معنی بھی مروی ہیں کہ مراد ذنوب سے تطہیر ہے۔ اور لکھا ہے کہ عرب [مَطَهَّرُ الثِّيَابُ] اس شخص کو کہتے تھے جو عہد کو وفا کرے اور لوگوں میں اصلاح کرے اور اچھے عمل کرنے والے کو بھی [طَاهِرَ الثِّيَابُ] کہتے تھے۔ (ج) اور مراد دونوں معنی ہیں۔ ظاہر کو پاک وصاف رکھنا بھی اسی طرح ضروری ہے جیسے باطن کو پاک وصاف رکھنا اور ہر مسلمان کے لیے یہ دونوں حکم ہیں کہ اپنے لباس ظاہری کو بھی پاک وصاف رکھے اور اپنے اعمال یعنی باطن کو بھی پاک وصاف رکھے۔ اور حکم کا منشا اس عمل پر مداومت اختیار کرنے کا ہے۔

3471۔ ﴿رُجْزَ﴾۔ رِجْزٌ کے اصل معنی اضطراب ہیں اور رِجْزَ اور رُجْزَ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ناپاکی یا عذاب۔ اور بتوں کی پرستش یا

وَ لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ۙ﴿۶﴾ اور اس لیے احسان نہ کر کہ زیادہ ملے۔(3472)

وَ لِرَبِّكَ فَاصۡبِرۡ ؕ﴿۷﴾ اور اپنے رب کے لیے صبر کر۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوۡرِ ۙ﴿۸﴾ پس جب بگل بجایا جائے گا۔(3473)

فَذٰلِكَ يَوۡمَئِذٍ يَّوۡمٌ عَسِيۡرٌ ۙ﴿۹﴾ تو اس دن وہ ایک مصیبت کا وقت ہوگا۔

عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ غَيۡرُ يَسِيۡرٍ ﴿۱۰﴾ (یعنی) کافروں پر سہل نہیں ہوگا۔

ذَرۡنِيۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِيۡدًا ۙ﴿۱۱﴾ مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔(3474)

شرک کو بھی کہا جاتا ہے۔ یا ایسے عمل کو جس کا نتیجہ عذاب ہو۔ (ل) گویا پچھلی آیت میں اپنے ظاہر و باطن کو پاک رکھنے کا حکم ہے تو یہاں اس کا طریق بھی بتایا کہ ہر قسم کی ناپاکی سے دور رہے، ظاہری ہو یا عمل کی۔

3472۔ **نیکی کر کے اجر نہ چاہنا:** اس کے معنی اور کئی طرح پر بھی کیے گئے ہیں مثلاً یہ کہ جو احسان کرو اسے بڑا نہ سمجھو۔ یا یہ کہ اپنی حسنات سے اللہ تعالیٰ پر احسان نہ رکھو، مگر ظاہر معنی جو ترجمہ میں ہیں اس موقعہ پر موزوں ہیں۔ اور احسان کرنے میں ایسے احسانات بھی داخل ہیں جو انسان مالی امداد کے طور پر یا حسن سلوک دوسرے سے کرتا ہے اور وہ احسان بھی جو آنحضرت ﷺ دوسروں کو ہدایت پہنچا کر لوگوں پر کرتے تھے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تم جو اس نعمت قرآن کو دوسروں تک پہنچاؤ تو اس لیے نہیں کہ تمہیں بڑا اجر ملے بلکہ اسے اپنا فرض منصبی سمجھ کر اور یہ معنی ابن زید نے اختیار کیے ہیں۔

3473۔ ﴿نَاقُوۡرِ﴾۔ نَقۡرٌ [المبر: 672] زبان کی آواز کو بھی کہتے ہیں کیونکہ زبان کی طرف کو مخرج نون کے ساتھ لگانا ہے اور نَاقُوۡرِ، صَوۡر یعنی بگل ہے۔ (ل)

3474۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئیں اور اشارہ اس واقعہ کی طرف سمجھا گیا ہے جو کئی سال بعد کا ہے۔ اور گو یہ ممکن ہے کہ یہ آیات بہت دیر بعد نازل ہوئی ہوں مگر یہاں سے سارا مضمون آخر رکوع تک مسلسل ہے۔ اس لیے قرین قیاس نہیں اور الفاظ بھی عام ہیں۔ ان میں ہر ایک متکبر، سرکش کا ذکر ہے جو حق کی پروا نہیں کرتا اور اپنے مال و دولت پر مغرور ہوتا ہے۔ اور ﴿وَحِيۡدًا﴾ اس کے متعلق بھی ہوسکتا ہے جو پیدا کیا گیا۔ یعنی اسے اکیلا پیدا کیا، مال و دولت ساتھ نہ تھا، سب کچھ میں نے دیا۔ اور پیدا کرنے والے کے متعلق بھی ہوسکتا ہے، یعنی میں نے اکیلے ہی اسے پیدا کیا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ میں اکیلا ہی اسے ہلاک کرنے کے لیے کافی ہوں۔ اور یا ﴿ذَرۡنِيۡ﴾ کے متعلق ہوسکتا ہے یعنی مجھے تنہا اس کی سزا کے لیے چھوڑ دو۔

وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾	اور اسے مال فراواں دیا۔
وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾	اور بیٹے حاضر رہنے والے۔
وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾	اور اس کے لیے خوب سامان تیار کیا۔
ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾	پھر وہ آرزو رکھتا ہے کہ میں بڑھاؤں۔
كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾	ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔
سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾	میں اسے سخت مشقت میں مبتلا کر دوں گا۔
اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾	اس نے فکر کیا اور اندازہ کیا۔
فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾	پس ہلاک ہو کیسا اندازہ کیا۔
ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾	پھر ہلاک ہو کیسا اندازہ (کیا)۔
ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾	پھر دیکھا۔
ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾	پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔ (3475)
ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾	پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔

3475۔ ﴿عَبَسَ﴾۔ عَبُوْس سینہ کی تنگی سے چہرے پر تنگی یا ترشی کے نشان کا پیدا ہونا ہے، اسی سے عَبُوْس ہے۔ ﴿یَوْمًا عَبُوْسًا﴾ [الدھر: 10:76] ''سختی کا دن۔'' (غ)

﴿بَسَرَ﴾ کسی چیز کے وقت سے پہلے اس کے لیے جلدی کرنا بَسَرٌ ہے اور یہاں مراد ہے کہ عبوس کو اس کے وقت سے پہلے ظاہر کیا۔ ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍۭ بَاسِرَةٌ﴾ [القیامة: 24:75] ''اور (کچھ) منہ اس دن برے بنے ہوئے ہوں گے۔'' میں بھی یہی مراد ہے۔ (غ) اور بَسَرَ کے معنی ابواسحاق نے کیے ہیں سخت کراہت سے دیکھا اور بَاسِرَةٌ سے مراد ہے ترش روئی ظاہر کرنے والے۔ اس لیے کہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ عذاب ان پر نازل ہونے والا ہے۔ (ل)

فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ پھر کہا، یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے جو چلا آتا ہے۔ (3476)

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ یہ کچھ نہیں مگر انسان کی (بنائی ہوئی) بات ہے۔

سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا۔ (3477)

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ اور تجھے کیا خبر ہے دوزخ کیا ہے؟

لَا تُبْقِیْ وَ لَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ وہ باقی نہیں رکھتی اور نہ چھوڑتی ہے۔

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ چمڑے کو جھلس دینے والی ہے۔ (3478)

عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ اس پر انیس (داروغے) ہیں۔

وَ مَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً ۙ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ یَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِیْمَانًا وَّ لَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ اور ہم نے آگ کے داروغے فرشتوں کو ہی بنایا اور ہم نے ان کی گنتی صرف ان کی آزمائش کے لیے ٹھہرائی ہے جو کافر ہیں۔ تاکہ وہ لوگ یقین کریں جنہیں کتاب دی گئی اور جو ایمان لائے، وہ ایمان میں بڑھیں۔ اور وہ جنہیں کتاب دی گئی اور مومن شک میں نہ پڑیں اور تاکہ

3476۔ **آنحضرت ﷺ کے متعلق اعتراف کفار:** ولید بن مغیرہ کے متعلق روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سورۂ حٰمٓ پڑھ رہے تھے اور وہ سن رہا تھا، جب اپنی قوم میں واپس گیا تو قرآن کریم کی صداقت کا اس پر اثر تھا۔ ابوجہل کو یہ بات پہنچی تو اس نے دریافت کیا۔ ولید نے کہا شعر کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا، مگر یہ شعر نہیں اور ہم کاہنوں کو بھی خوب جانتے ہیں، یہ کہانت نہیں اور یہ کذب بھی نہیں کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن ابوجہل کے اصرار پر کہ کوئی ایسی بات کہے جس کی وجہ سے قریش آپ سے متنفر رہیں، آخر کہا کہ یہ سحر ہے جو ایک شخص کو اس کے اہل وعیال سے الگ کر دیتا ہے۔ (د)

3477۔ ﴿سَقَرَ﴾۔ [سَقَرَتْهُ الشَّمْسَ] سورج نے اسے متغیر کر دیا اور پگھلا دیا۔ اور ﴿سَقَرَ﴾ دوزخ کا نام ہے۔ (غ)

3478۔ ﴿لَوَّاحَةٌ﴾۔ لَوْحٌ اور [لَوَّحَهُ الْحَرُّ] کے معنی ہیں گرمی نے اسے متغیر کر دیا، یعنی سیاہ کر دیا یا جھلس دیا۔ (غ)

لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع 1 31 15

وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کافر کہیں، اللہ (تعالیٰ) نے اس مثال کے ساتھ کیا ارادہ کیا۔ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تیرے رب کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا، مگر وہی اور یہ صرف انسانوں کے لیے نصیحت ہے۔ (3479)

كَلَّا وَ الْقَمَرِ ﴿۳۲﴾

ہرگز نہیں چاند گواہ ہے۔

وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾

اور رات جب جانے لگے۔

وَ الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾

اور صبح جب روشن ہو۔

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾

وہ بھاری مصیبتوں میں سے ایک ہے۔ (3480)

﴿بَشَرٍ﴾۔ بَشَرَةٌ چمڑے کے باہر کے حصے کو کہتے ہیں اور بَشَرٌ اس کی جمع ہے۔ (غ)

3479۔ ﴿اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ سے مراد یہاں دو **دوزخ کے داروغے** ہیں اور ان کی گنتی انیس اوپر بیان ہوئی ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ انیس فرشتے ہوں یا انیس جماعتیں۔ اور خاص اس گنتی کے متعلق فرمایا کہ یہ کافروں کے لیے آزمائش ہے۔ اور آیت کے آخر پر ﴿مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا﴾ کہہ کر اسے ایک مثال قرار دیا، جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور ممکن ہے کبھی اس کے متعلق کوئی ایسا انکشاف ہو جو مومنوں کے لیے ازدیاد ایمان کا موجب ہو۔ جب ہم اس میں سینکڑوں باتیں علم غیب کی ایسی پاتے ہیں جن کا جاننا انسان کی طاقت میں نہیں اور ان کی صداقت آج اظہر من الشمس ہے، تو دوزخ پر انیس فرشتوں کا ہونا کوئی اتنی بڑی بات نہیں جو کسی عقلمند کے لیے ٹھوکر کا موجب ہو سکے۔ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ بتاتا ہے کہ فرشتوں کی تو کوئی انتہا نہیں یہ انیس کسی خاص کام کے لحاظ سے ہیں۔ ممکن ہے کہ انسان میں کوئی انیس قویٰ ایسے ہوں جن کے بے محل استعمال سے آگ پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ صرف جملہ معترضہ کے طور پر ہو اور باقی مضمون صرف دوزخ کے ذکر سے تعلق رکھتا ہو۔

3480۔ ﴿اِحْدَى الْكُبَرِ﴾۔ كُبَرٌ۔ كُبْرٰى کی جمع ہے۔ ﴿اِنَّهَا﴾ میں ضمیر سَقَرَ کی طرف ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اور بھی بڑی بڑی مصیبتیں

نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۙ﴿۳۶﴾	انسان کے لیے ڈرانے والی۔
لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ؕ﴿۳۷﴾	اس کے لیے جو تم میں سے چاہتا ہے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے۔
كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۙ﴿۳۸﴾	ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا گرفتارِ (بلا) ہوگا۔
اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۳۹﴾	سوائے دائیں ہاتھ والوں کے۔
ع 16 فِيْ جَنّٰتٍ ؕ يَتَسَآءَلُوْنَ ۙ﴿۴۰﴾	وہ بہشتوں میں ہوں گے، پوچھیں گے۔
عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۙ﴿۴۱﴾	مجرموں سے۔
مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾	تمہیں کیا چیز دوزخ میں لائی؟
قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ﴿۴۳﴾	کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔
وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ﴿۴۴﴾	اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔
وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾	اور ہم بیہودہ باتیں کرنے والوں کے ساتھ مل کر بیہودہ باتیں بنایا کرتے تھے۔
وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ﴿۴۶﴾	اور ہم جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے تھے۔

ان کے لیے ہیں، دوزخ بھی ان میں سے ایک ہے۔ البتہ اِحْدَی کے لفظ میں یہ اشارہ ہوگا کہ اس کی نظیر اور کوئی نہیں [دیکھو نمبر: 201] اور ضمیر کو نذارت کی طرف بھی مانا گیا ہے اور حال، قصہ یا ساعت کی طرف بھی۔ اور اگلی آیت میں ﴿نَذِيْرًا﴾ بمعنی اَنْذَارٌ مانا گیا ہے یعنی وہ انذار میں بے مثل ہے یا بمعنی مُنْذِرَةٌ یا ذات انذار ہے۔ اور یہاں قمر کو بطور شہادت پیش کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح چاند پہلے چھوٹا سا ہوتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے یہی مثال حق کی ہے کہ وہ تدریجاً ترقی کرے گا۔ اور رات کے دور ہونے اور صبح کے روشن ہونے میں بھی باطل کی تاریکی کے دور ہونے اور حق کی روشنی پھیلنے کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے جواب قسم میں فرمایا کہ حق کی مخالفت کا نتیجہ ﴿اِحْدَی الْكُبَرِ﴾ ہے۔

حَتّٰۤی اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾	یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔
فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾	سو انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ دے گی۔
فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾	تو انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہیں۔
كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾	گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں۔
فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾	شیر سے بھاگ رہے ہیں۔ (3481)
بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾	بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں۔ (3482)
كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾	ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔
كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ ﴿۵۴﴾	ایسا نہیں یہ ایک نصیحت ہے۔

3481۔ ﴿مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾۔ نَفَرَ [نمبر: 687] اِسْتِنْفَارٌ کے معنی ہیں [طَلَبَ النَّفَارَ] اور لڑائی سے بھاگنے کے لیے اکسانا۔ اور یہاں ﴿مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾ بمعنی نَافِرَةٌ ہے۔ (غ)

﴿قَسْوَرَةٍ﴾۔ قَسْرَ کے معنی غلبہ یا قہر ہیں، اسی سے ﴿قَسْوَرَةٍ﴾ ہے جس کے معنی شیر ہیں اور تیر اندازی اور شکاری بھی کیے گئے ہیں۔ (غ) حق سے ان کے بھاگنے کی وجہ سے انہیں جنگلی گدھوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ حد درجہ کی حماقت تھی کہ سیدھی سیدھی باتوں سے اس طرح بھاگتے تھے۔

3482۔ یعنی ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ خود اسے کھلے ہوئے صحیفے ملیں یعنی رسول کی معرفت کتاب ملنے کی بجائے ہر ایک کو ایک لکھی لکھائی کتاب بھیجی جائے۔ اور بعض وقت کفار آپ کو کہا کرتے تھے کہ ہم تو آپ کی پیروی کریں گے کہ لکھی لکھائی کتاب ہمارے پاس آئے، جس کا سرنامہ یوں ہو کہ رب العالمین سے فلاں شخص کے نام۔ دوسری جگہ ہے: ﴿حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ [بنی اسرائیل: 93:17] ''جب تک کہ تو ہم پر کتاب نہ اتارے جسے ہم پڑھ لیں۔''

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ سو جو کوئی چاہے اسے یاد رکھے۔

وَ مَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع 2 25 16 اور وہ یاد نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔ اس کی شان ہے کہ اس کے احکام کی نگہداشت کی جائے اور اس کی شان ہے کہ وہ بخشے۔ (3483)

3483۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سب مشیتوں پر غالب ہے اور اللہ کی مشیت ان کے لیے تب ہی ہو جب یہ اپنے آپ کو اس کا اہل بنائیں اور اس میں خوشخبری بھی ہے کہ آخر کار یہ اسے قبول کریں گے۔ ﴿اَهْلُ التَّقْوٰى﴾ یعنی اس بات کا حق دار کہ اس کے احکام کی نگہداشت کی جائے اور ﴿اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ یعنی اس بات کا اہل کہ مغفرت کرے۔ اس میں اشارہ ہے کہ گو انسان مغفرت پانے کا حق دار نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے کا حق دار ہے۔

اٰیَاتُهَا 40 (75) سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ (31) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ — نہیں، میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔

وَ لَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ — اور نہیں، میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔

(3484)

سورۃ القیامۃ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْقِيٰمَةِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 40 آیتیں ہیں۔ اس میں قیامت کا ذکر ہے اور قیامت پر قیامت کو بطور شہادت پیش کیا ہے یعنی اس قیامت روحانی کو جو بذریعہ نبی کریم ﷺ پیدا ہونے والی تھی۔ اور اس روحانی قیامت سے مراد انسان کے اندر ایک نئی زندگی کا احساس پیدا ہونا ہے اور نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سے نہ صرف وہ احساس پیدا ہوا بلکہ اس قدر قوت کو پہنچا کہ اس کے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اڑ گئے اور یہی تعلق اس سورت کا پچھلی سورت سے ہے، جس کے آخر پر فرمایا تھا کہ قرآن ایک تذکرہ ہے۔ جس میں یہی اشارہ تھا کہ اس سے ایک روحانی قیامت برپا ہوگی اور اس سورت میں اسی روحانی قیامت کو بطور شہادت قیامت کبریٰ پیش کیا ہے۔ یہ بھی ابتدائی مکی وحی ہے۔

3484۔ ﴿لَوَّامَةِ﴾ بہت ملامت کرنے والا۔ ﴿بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ وہ ہے کہ اس نے کچھ فضائل کو اپنے اندر لے لیا ہے، پھر جب اس کے صاحب سے کوئی امر مکروہ سرزد ہو تو اسے اس پر ملامت کرتا ہے اور یہ نفس مطمئنہ سے کمتر ہے اور بعض کے نزدیک یہ وہ نفس ہے جو اپنی ذات میں مطمئن ہے۔ پھر دوسروں کی تادیب کے لیے انہیں ملامت کرتا ہے گویا نفس مطمئنہ سے بالاتر ہے۔ (غ) تین قسم کے نفس کے لیے [دیکھو نمبر: 1553]۔

قسم سے پہلے لفظ لَا پر [دیکھو نمبر: 684] اور یہاں قیامت کے دن اور نفس لوامہ کو بطور شہادت پیش کیا ہے اور جواب قسم کا ذکر ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ﴾ میں ہے۔ یعنی بعث بعد الموت ضرور ہوگا۔ بالفاظ دیگر قیامت کے وجود پر ایک تو خود **قیامت کو ہی بطور شہادت** پیش کیا ہے اور دوسرا نفس لوامہ کو۔ قیامت کے لیے قیامت کس طرح دلیل ہے؟ قیامت کے معنی میں ایک ہی مرتبہ کھڑا ہو جانا اور ساعت اور قیامت میں فرق یہ ہے کہ ساعت تباہی کا وقت ہے اور قیامت زندگی کا۔ [دیکھو نمبر:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳
کیاانسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے۔

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴
ہاں ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کے (سارے) اعضا کو ٹھیک کریں۔ (3485)

108] یعنی ساعت میں اس تباہی کی طرف اشارہ ہے جو پہلے عالم پر آئے گی اور قیامت میں اس زندگی کی طرف جو بعد میں قائم ہوگی۔ اب یہ زندگی جو بعد الموت ملے گی فی الحقیقت اعمال کا نتیجہ ہے۔ اچھے عملوں والوں کی زندگی بہشتی ہوگی یعنی خوشی کی اور برے عملوں والوں کی زندگی جہنمی ہوگی یعنی دکھ کی۔ اس زندگی کا کھلے طور پر نمودار ہونا ہی قیامت ہے۔ لیکن ایک باریک رنگ میں یہ زندگی یہیں پیدا ہوجاتی ہے۔ نیک اعمال کے نیک نتائج، بداعمال کے بدنتائج مخفی طور پر یہاں بھی ظاہر ہوجاتے ہیں۔ بہشتی زندگی اسی دنیا میں شروع ہوجاتی ہے اور جہنمی زندگی بھی یہیں اپنا اثر دکھانے لگتی ہے۔ گویا ایک چھوٹی قیامت یہاں بھی برپا ہوجاتی ہے۔ وہ زندگی جو کامل طور پر بعد موت ظہور پذیر ہوگی اس کا احساس یہیں سے شروع ہوجاتا ہے اور یہ دونوں قیامتیں برپا کرنے والے نبی ہی ہوتے ہیں۔ یعنی کھلی قیامت کی خبر بھی انبیاء اللہ کے ذریعہ سے ملتی ہے اور روحانی قیامت کا احساس بھی وہی پیدا کرتے ہیں۔ اور اسی احساس کا پیدا کردینا درحقیقت اس کھلی قیامت کے وجود پر ایک بین شہادت ہے اور اسی کی طرف آگے ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ﴾[14] میں توجہ دلائی ہے۔ یوں قیامت کو قیامت پر بطور شہادت پیش کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے نفس لوامہ سے مقرون کیا ہے۔ کیونکہ <u>نفس لوامہ</u> ہی اس روحانی زندگی یا روحانی قیامت کے احساس کی ابتدائی حالت ہے۔ نفس امارہ کی حالت میں یہ احساس بالکل مفقود ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ کی حالت میں وہ احساس بہت قوی ہوجاتا ہے۔ مگر ابتدا اس کی اس وقت ہوتی ہے جب انسان بدی کے بدنتائج کو محسوس کرنے لگے اور اس کا نفس اسے ہر ایسے امر پر ملامت کرنے لگے جو اس روحانی زندگی کے پیدا ہونے میں روک ہے۔ اور اگر نفس لوامہ کے دوسرے معنی لیے جائیں تو مراد خود آنحضرت ﷺ ہوں گے۔ گویا قیامت کے وجود پر قیامت بھی شاہد ہے اور نبی بھی شاہد ہے، جو اس کی خبر دیتا ہے۔

3485۔ ﴿بَنَانَ﴾۔ [دیکھو نمبر: 1212] ﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ [الانفال: 12:8] ''اور ان کے پوروں کو کاٹ ڈالو'' کی تفسیر کرتے ہوئے ابواسحاق نے لکھا ہے کہ بَنَانَ سے مراد سارے اعضائے بدن ہیں جن میں انگلیاں بھی شامل ہیں۔ کیونکہ یہ [اَبَنَ بِالْمَكَانَ] سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں مکان میں اقامت اختیار کی۔ اور اقامت اور حیات کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ بَنَانَ سے تیار ہوتی ہیں، یعنی کل اعضا سے۔ اور یہاں ﴿بَنَانَ﴾ کے معنی بعض نے انگلیاں یا انگلیوں کے پورے اور بعض نے اطراف بھی کیے ہیں۔ (ل)

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵	بلکہ انسان چاہتا ہے کہ آگے بدکاری کرتا چلا جائے۔ (3486)
يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶	پوچھتا ہے، قیامت کا دن کب ہے؟
فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷	سو جب نظر خیرہ ہو جائے گی۔ (3487)
وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸	اور چاند تاریک ہو جائے گا۔
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹	اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔ (3488)

ہڈیاں جمع کرنے سے مراد:

ان دو آیتوں میں بعث بعد الموت کا ذکر کیا ہے۔ پہلی میں فرمایا کہ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے اور دوسری میں فرمایا کہ ہم اس کے سارے اعضا پورا کرنے پر قادر ہیں۔ تو ہڈیوں کے جمع کرنے سے یہ منشا تو ہو نہیں سکتا کہ ہڈیاں سب کہیں موجود ہوں گی، ان کا جمع کرنا کوئی دشوار کام ہے۔ ہڈی اصل میں وہ ہے جو انسان میں سب سے دیر پا شے ہے۔ اور ہڈیوں کے جمع کرنے میں اشارہ انہی چیزوں کے جمع کرنے کا ہے جو دیر پا ہیں یعنی نتائج اعمال۔ قرآن کریم میں عموماً ہڈیوں کے اٹھانے کو ہی زندگی سے تعبیر کیا ہے جیسے ﴿وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا﴾ [البقرة: 259:2] ''اور ہڈیوں کو بھی دیکھ، ہم انہیں کیوں کر اٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔'' یا ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [يٰسٓ: 78:36] ''کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب وہ گل چکی ہوں گی۔'' اور ﴿نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ﴾ میں پہلی ساخت جسم انسانی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ دوسری پیدائش کے اعضا کو مکمل کرنے پر قادر ہیں۔

3486۔ ﴿لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾۔ فُجُوْرٌ [دیکھو نمبر: 88] اور اِمَامٌ کے معنی ہیں آگے۔ ﴿لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾ کے معنی ہیں زندگی کا ارادہ کرتا ہے تا کہ اس میں فجور کرتا چلا جائے۔ اور بعض نے معنی کیے ہیں تا اس میں گناہ کرے یا معنی ہیں گناہ کرے پھر کہے کل کو توبہ کر لوں گا پھر نہ کرے۔ (غ) مطلب یہی ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ آگے آگے معاصی میں مبتلا ہوتا چلا جائے اس سے کوئی چیز اسے روکنے والی نہ ہو۔ (ج)

3487۔ ﴿بَرِقَ﴾۔ بَرِقَ بادل کی چمک کو کہتے ہیں۔ اور بَرِقَ جب آنکھ کے متعلق کہا جاتا ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ وہ مضطرب ہو گئی۔ (غ)

3488۔ **سورج اور چاند کا جمع ہونا:** خسف قمر سے مراد اگر گرہن لیا جائے تو جمع شمس و قمر سے سورج گرہن اور چاند گرہن کا اکٹھا واقع ہونا لیا جائے گا۔ اور چونکہ چاند گرہن مہینہ کے وسط میں ہوتا ہے اور سورج گرہن آخر میں، اس لیے مراد اس سے کسی خاص مہینہ میں دونوں کا اکٹھا ہونا ہوگا۔ جیسا کہ ایک روایت میں مہدی کے ظہور کی علامت رمضان میں کسوف و خسوف کا اجتماع ہے۔ اور

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾

اس دن انسان کہے گا کہاں بھاگ کر جانا ہے۔

كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ﴿۱۱﴾

ہرگز نہیں کوئی جائے پناہ نہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىٕذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ؕ﴿۱۲﴾

تیرے رب کی طرف اس دن ٹھکانا ہے۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ؕ﴿۱۳﴾

اس دن انسان کو اس کی خبر دی جائے گی جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾

بلکہ انسان اپنے نفس پر آپ دلیل ہے۔

وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾

اور گو وہ اپنے عذر پیش کرے۔ (3489)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾

اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلانا تاکہ اسے جلدی لے لے۔ (3490)

ایسا ایک اجتماع 1893ء میں ہو چکا ہے۔ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مراد دونوں کا طلوع مغرب سے لیا ہے۔ اور اگر مراد اس سے محض چاند کا تاریک ہونا لیا جائے تو سورج اور چاند کے اجتماع سے مراد دونوں کا **تاریک ہو جانا لیا جائے** گا۔ اور چاند تب ہی تاریک ہوگا جب سورج تاریک ہو جائے۔ کیونکہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے ہے اور دونوں کا تاریک ہو جانا گویا موجودہ نظام عالم کا درہم برہم ہو جانا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین مع چاند کے سورج میں جا ملے۔

3489۔ **انسان کی اپنے نفس پر شہادت:** انسان کے اپنے نفس پر دلیل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ اس دوسری زندگی کی شہادت تو خود اس کے اندر سے ملتی ہے جیسا کہ نفس لوامہ میں اشارہ تھا۔ مگر انسان طرح طرح کے عذر پیش کر کے اس احساس زندگی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

مَعَاذِيْرَ، مَعْذِرَةٌ بمعنی عذر کی جمع ہے۔

3490۔ ﴿تُحَرِّكْ﴾۔ حَرَكَةٌ سکون کی ضد ہے۔ اور یہ صرف جسم کے لیے ہے اور وہ ایک جسم کا انتقال ایک جگہ سے دوسری جگہ ہے۔ (غ)

بخاری میں ہے کہ ابتدا میں جب آنحضرت ﷺ پر وحی آتی تھی تو آپ اسے جلدی لینے کی کوشش کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور تسلی دی کہ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، کوئی چیز ضائع نہیں ہو سکتی۔ لیکن چونکہ قیامت کے ذکر میں مخالفین کی ہلاکت کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے اس لیے زبان کو ہلانے سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ ان کے عذاب کے بارہ میں

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾	ہمارے ذمے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہے۔
فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾	پس جب ہم اس کو پڑھیں تو تُو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾	پھر ہمارے ذمے اس کا کھول کر بتانا ہے۔ (3491)

زبان کو مت ہلا کہ جلدی انہیں عذاب آ لے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ پچھلی سورت میں اسی عذاب سے ڈرایا تھا ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ [المدثر: 2:74] ''اٹھ اور ڈرا'' اور آگے جو قرآن کی جمع کا ذکر ہے تو وہ اس لحاظ سے ہے کہ مخالف تو اس کوشش میں تھے کہ قرآن کو نابود کر دیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے عذاب کے لیے جلدی نہ کرو۔ قرآن شریف کو یہ مٹا نہیں سکتے، اس کا پڑھنا اور جمع کرنا ہمارے ذمے ہے۔

3491۔ ان آیات میں قرآن کریم کے متعلق تین باتوں کا بیان ہے۔

اول: **قرآن کا جمع کرنا،**

دوم: اس کا پڑھنا،

سوم: اس کا واضح کرنا اور یہ تینوں الگ الگ باتیں ہیں۔

اس کا پڑھنا تو بذریعہ وحی اس کا آنحضرت ﷺ کو پہنچانا ہے۔ لیکن چونکہ جو حصہ نازل ہوتا تھا وہ بلحاظ ضروریات وقتی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تھا۔ اس لیے اس کو ایک ترتیب میں لانا بھی ایک عظیم الشان کام تھا۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اس کا جمع کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترتیب قرآن کریم نہ آنحضرت ﷺ نے اپنی رائے سے کی اور نہ کوئی اسے تبدیل کرنے کا مجاز تھا، بلکہ یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ ہر ایک آیت اور سورۃ کے متعلق خود حکم دیتے تھے کہ اسے فلاں موقعہ پر رکھو۔ اور آیت میں جمع کو پڑھنے پر اس لیے مقدم کیا کہ اصل قرآن جو ہمیشہ کے لیے دنیا میں رہنا تھا وہ جمع شدہ قرآن تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قرآن میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔ کیونکہ جس کی جمع کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے رکھا یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ اس میں کوئی انسان کچھ کمی بیشی کر دے۔ اور **محقق اہل شیعہ بھی قرآن کریم کو کامل مانتے ہیں** اس میں سے کوئی حصہ ضائع شدہ نہیں مانتے۔ جیسے سید مرتضیٰ، محمد بن حسن طوسی، ابو علی طبرسی صاحب مجمع البیان، محمد بن علی بن بابویہ جن میں سے آخر الذکر کا یہ قول ہے: [اِعْتَقَادُنَا أَنَّ الْقُرْآنَ الَّذِيْ أَنْزَلَ اللهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ هُوَ مَا بَيْنَ الدَّفَتَيْنِ وَمَا فِيْ أَيْدِيْ النَّاسَ لَيْسَ بِأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَأَنَّ مَنْ نَّسَبُ إِلَيْنَا أَنَا نَقُوْلُ إِنَّهُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَاذِبٌ] (مجموع مؤلفات عقائد الرافضة والرد عليها، باب: الشيعة الإثنى عشرية وتحريف القرآن) یعنی ''ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اتارا وہ وہی ہے جو بین الدفتین موجود ہے اور جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے بڑھ کر نہیں۔ اور جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرے کہ ہم کہتے ہیں وہ اس

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ ہرگز نہیں، بلکہ تم دنیا سے محبت کرتے ہو۔ (3492)

وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ اور آخرت کو چھوڑتے ہو۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ (کچھ) منہ اس دن تروتازہ ہوں گے۔ (3493)

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ اور (کچھ) منہ اس دن برے بنے ہوئے ہوں گے۔

سے بڑھ کر ہے، وہ جھوٹا ہے۔'' اور سید مرتضیٰ نے ایسی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے جن میں قرآن میں کسی کمی بیشی کا ذکر ہو۔ اور خود اہل سنت کی کتب احادیث میں بھی ایسی بعض ضعیف روایات ہیں۔

بیان قرآن:

تیسری بات جس کا یہاں دعویٰ کیا ہے یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے یعنی بعض مسائل میں جو عمل سے تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان مقامات کی وضاحت فرما دی ہے۔ اور جس طرح جمع قرآن کے پڑھنے سے الگ امر تھا، اسی طرح بیان قرآن، قرآن شریف سے الگ ہے۔ جس طرح جمع قرآن نبی کریم ﷺ کرتے تھے اسی طرح بیان قرآن بھی آنحضرت ﷺ کرتے تھے۔ جس طرح جمع قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی خفی سے آپ نے کیا، اسی طرح بیان قرآن بھی اللہ تعالیٰ کی وحی خفی سے آپ نے کیا۔ پس نماز یا بعض دیگر امور کے متعلق جو کچھ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم پا کر ہی بیان فرمایا۔ اور یہ سب کچھ بیان قرآن ہے، یہی حدیث ہے۔ اور ان لوگوں پر افسوس ہے جو خود تو تفسیر قرآن کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ نے یوں اس حکم قرآنی کی وضاحت فرمائی تو اسے قبول نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے تینوں باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ قرآن کا اتارنا، قرآن کا جمع کرنا، قرآن کا بیان کرنا۔ اور یہ تینوں الگ الگ امور ہیں۔ جو شخص ان تینوں میں سے کسی ایک چیز کو چھوڑتا ہے وہ قرآن کی نص صریح کو رد کرتا ہے۔

3492۔ ﴿كَلَّا﴾ میں تہدید کفار کے لیے ہے جو انکار قیامت کرتے ہیں۔ اصل مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے اور بتایا ہے کہ تم نفع عاجل کے پیچھے پڑتے ہو اور جس بات میں انجام کار نفع ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

3493۔ ﴿نَّاضِرَةٌ﴾۔ نَضْرَةٌ کے معنی حسن ہیں۔ ﴿نَضْرَةَ النَّعِيْمِ﴾ [التطفيف: 24:83] ''نعمتوں کی تازگی۔'' ﴿لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا﴾ [الدهر: 11:76] ''انہیں تازگی اور خوشی سے ملا دیا۔'' (غ) گویا رب رحیم کی طرف نظر ہی ان کے چہروں کی تروتازگی کا موجب ہے۔ اور جو ﴿بَاسِرَةٌ﴾ ہیں تو اللہ تعالیٰ کی جناب سے دوری ہی ان کے چہروں پر سیاہی کا موجب ہے۔

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

جان لیں گے کہ ان پر پیٹھ توڑنے والے مصیبت آنے والی ہے۔ (3494)

كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾

ہرگز نہیں جب (جان) گلے تک پہنچ جائے گی۔ (3495)

وَ قِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾

اور کہا جائے گا کون طبیب ہے؟

وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾

اور یقین کرلے گا کہ یہ جدائی ہے۔

وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾

اور ایک پنڈلی (دوسری) پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔

ع 1 30 17 اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ِۨالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾

تیرے رب کی طرف اس دن چلا جاتا ہے۔ (3496)

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾

تو نہ وہ تصدیق کرتا ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے۔

3494۔ ﴿فَاقِرَةٌ﴾۔ فَقَارَةٌ پیٹھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اور ﴿فَاقِرَةٌ﴾ وہ مصیبت ہے جو فقار کو توڑ دے۔ (غ)

3495۔ ﴿تَرَاقِيَ﴾۔ تَرْقُوَةٌ کی جمع ہے۔ وہ ہڈی جو گلے کی گہرائی اور کندھے کو ملاتی ہے۔ (غ) یا تَرْقُوَةٌ اسے اس لحاظ سے کہا کہ سانس وہاں تک چڑھتا ہے (مادہ رَقِيٌ سے) اور رَاقٍ بھی رَقِيٌ سے ہے جس کے معنی ہیں [مَنْ يُّرْقِيْهِ] یعنی کون اس پر افسوس کرے گا۔ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿مَنْ رَاقٍ﴾ کے معنی کیے ہیں کون اس کی روح کو لے کر چڑھے گا، رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے۔ (غ) اور رُقْيَةٌ پڑھ کر پھونکنے کو کہتے ہیں اور رَاقٍ ایسا کرنے والا اور حدیث میں رُقْيَةٌ یا پڑھ کر پھونکنے کا جواز بھی پایا جاتا ہے اور اس سے نہی بھی۔ اور ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ قرآن یا اسمائے الٰہی کو پڑھ کر پھونکنا تو جائز ہے مگر اس کے سوائے نہیں۔ (ل) اور ضحاک وغیرہ سے اس کے معنی مطلق طبیب مروی ہیں۔ (ج) اور یہی مراد معلوم ہوتی ہے۔ یعنی جب نزع کا وقت آجاتا ہے تو پھر کوئی طبیب نہیں ملتا جو بچا سکے۔

3496۔ ﴿وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ﴾ کے معنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شدت پر شدت کا بڑھنا منقول ہیں۔ اور عطاء سے ہے کہ مالوف چیزوں کی مفارقت کی شدت کے ساتھ دوسرے عالم کی طرف انتقال کی شدت مل جائے گی۔ اور رب کی طرف مساق ہونے سے مراد ہے کہ منتہیٰ رب کی طرف ہے۔ [دیکھو نمبر: 2892] یہاں موت کا نقشہ کھینچا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قیامت ہے۔ [مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ]

وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ لیکن جھٹلاتا ہے اور پھر جاتا ہے۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف اتراتا ہوا چلا جاتا ہے۔(3497)

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ افسوس ہے تجھ پر اور افسوس!

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ پھر افسوس ہے تجھ پر اور افسوس!

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ مہمل ہی چھوڑ دیا جائے گا؟(3498)

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ کیا وہ منی کا ایک نطفہ نہ تھا جو ڈالی جاتی ہے۔

3497۔ ﴿يَتَمَطّٰى﴾۔ مَطْو چلنے میں کوشش اور جلدی ہے۔ اور تَمَطّٰی کے معنی تبختر ہیں۔ (ل) یا اکڑ کر چلنا یا اپنی مَطا یعنی پیٹھ کو اکڑتے ہوئے چلنا۔ (غ) جس قیامت کی طرف اوپر توجہ دلائی تھی اسی سے اعراض کرنے والے کا یہاں ذکر ہے کہ وہ اکڑتا ہوا اپنے اہل یعنی اپنے ساتھیوں کی طرف چلا جاتا ہے اور حق کی پروا نہیں کرتا اور اس کے اکڑنے سے مراد اس کی متکبرانہ روش ہے۔ گویا وہ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ کسی خوبی کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

3498۔ ﴿يُّتْرَكَ﴾۔ تَرْكٌ کسی چیز کا چھوڑنا ہے۔ ارادہ اور اختیار سے یا قہر و اضطرار سے۔ ﴿وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ﴾ [الکھف: 99:18] ''اور ہم انہیں ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔'' ﴿وَ اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا﴾ [الدخان: 24:44] ''اور دریا کو ساکن چھوڑ دے۔'' دوسرے سے ہے ﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ﴾ [الدخان: 25:44] ''کتنے چشمے چھوڑ گئے۔'' اور ہر ایک فعل کے متعلق کہا جاتا ہے جس سے وہ اپنے حال کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ [مَا تَرَكْتُهُ كَذَا] (غ) اور تَرْكٌ بمعنی اِلْقَاءٌ بھی آتا ہے ﴿وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ [الصافات: 78:37] ''اور ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا (ذکر خیر) باقی رکھا۔'' اور [تَرَكْتُ الشَّيْءَ] کے معنی ہیں خَلَّيْتُهٗ یعنی اس سے الگ رہا۔ (ل)

﴿سُدًى﴾۔ سُدًی کے معنی مہمل ہیں۔ یعنی ایسی حالت میں کہ نہ اسے کچھ کرنے کا حکم دیا جائے اور نہ کسی چیز سے روکا جائے۔ (ل) کیوں بلا کچھ لازم کیے اور بلا کسی چیز سے روکے نہیں چھوڑا جاتا اور اس کی وجہ اگلی سورت میں بیان کی ہے۔

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ پھر وہ ایک لوتھڑا تھا سو (اسے) پیدا کیا، پھر ٹھیک بنایا۔

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ تب اس سے دو زوج بنائے مرد اور عورت۔

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع 2 10 18 کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کرے؟(3499)

3499۔یعنی جس نے عجیب در عجیب طریق سے یہ زندگی بنائی کیا وہ دوسری زندگی نہیں بنا سکتا۔احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب یہ پڑھتے تو کہتے [سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَ بَلٰى] اور احمد، ابوداؤد وغیرھما نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص سورۃ وَالتِّيْنِ پڑھے تو ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴾ کے بعد کہے [وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ] اور جو شخص یہ سورت پڑھے تو ﴿اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ پر کہے بلٰی۔اور جو وَالْمُرْسَلٰتِ پڑھے تو ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ پر کہے [آمَنَّا بِاللّٰهِ](شعب الایمان، باب: فصل في الاعتراف لله تعالى بما يخبر به عن نفسه ، جلد: 2، صفحه: 377)۔

اٰیَاتُهَا 31 (76) سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ (98) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①

یقیناً انسان پر زمانے کا ایک وقت آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر شے نہ تھا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ②

ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے پیدا کیا ہے اسے ہم آزماتے ہیں۔ سو اسے ہم نے سننے والا، دیکھنے والا بنایا۔ (3500)

سورۃ الدھر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْاِنْسَانِ ہے اور اَلدَّهْرِ بھی آیا ہے اور اس میں 2 رکوع اور 31 آیتیں ہیں اور بلحاظ مضمون یہ نام اَلْاِنْسَانِ نہایت ہی موزوں ہے۔ اس لیے کہ یہاں انسان کی روحانی ترقیات کا ذکر ہے اور بتایا ہے کہ پہلا مرتبہ انسان کی روحانی ترقی کا یہ ہے کہ بدی کی طاقت کو دبائے اور دوسرا یہ کہ نیکی کی قوت اپنے اندر پیدا کرے اور تعلق بھی پچھلی سورت سے صاف ہے۔ کیونکہ وہاں فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے دنیا میں ایک روحانی قیامت قائم ہوگی۔ یہاں بتایا کہ اس روحانی زندگی کے دو مدارج ہیں۔ یہ سورت جمہور کے نزدیک مکی ہے اور قتادہ اور مجاہد اسے مدنی کہتے ہیں اور بعض نے اسے کچھ مکی اور کچھ مدنی قرار دیا ہے۔ مگر ان دونوں باتوں کے لیے کوئی دلیل نہیں اور صحیح یہی ہے کہ یہ سورت اس حصہ کی باقی سورتوں کی طرح ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3500۔ ﴿اَمْشَاجٍ﴾۔ مَشْجٌ دو رنگوں کا باہم ملنا ہے یا دو چیزوں کا ملنا اور مَشِيْجٌ مرد اور عورت کے ماء کا ملنا ہے۔ اور ﴿اَمْشَاجٍ﴾ کے معنی میں فراء نے کہا ہے وہ مَآءَ الرَّجُلِ اور مَآءَ الْمَرْأَةِ اور خون اور علقہ کا باہم ملنا ہے اور ابو اسحاق کا قول ہے کہ ﴿اَمْشَاجٍ﴾ منی اور خون کا اخلاط ہے۔ پھر ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور ﴿نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ﴾ مرد کا پانی ہے جو عورت کے پانی سے اور اس کے خون سے ملتا ہے۔ (ل) اور عکرمہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہما سے ﴿اَمْشَاجٍ﴾ کے معنی

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝۳	ہم نے اسے رستہ دکھادیا ہے چاہے وہ شکرگزار ہے اور چاہے ناشکرا۔
اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ۝۴	ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور جلتی ہوئی آگ تیار کررکھی ہے۔
اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵	نیک اس پیالے سے پیتے ہیں جس کی ملونی کافور ہے۔ (3501)

[اِخْتِلَاطُ مَآءَ الرَّجُلَ وَ مَآءَ الْمِرْأَةُ] مروی ہیں۔(ج) اور اَمْشَاجٍ مَشَجٌ کی جمع ہے۔

انسان کیوں مکلف احکام ونواہی ہے:

ابتلا یا آزمائش سے یہاں مراد اس کا ابتلا تکلیف سے ہے یعنی بعض احکام کے اس پر لازم کرنے سے۔ اور چونکہ انسان کو اس غرض کے لیے بنایا تھا، اس لیے فرمایا کہ ہم نے اسے سمیع وبصیر بنایا اور گو سننے اور دیکھنے کی صفات دوسرے جانداروں میں بھی پائی جاتی ہیں مگر انسان اس سننے دیکھنے سے جن نتائج پر پہنچتا ہے وہ نہیں پہنچتے۔ پس اس کا سننا اور دیکھنا ایک نیا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے جس کی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے کہ وہ چاہے تو شکرگزاری کی راہ اختیار کرے اور چاہے کفران کی۔ گویا اسے اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے قویٰ کو جس موقع پر چاہے استعمال کرے اور جس موقعہ پر چاہے روکے۔ بالفاظ دیگر وہ جذبات پر حکومت کرنے کا اہل ہے۔

3501۔ ﴿مِزَاجُ﴾۔ مَزْجٌ کے معنی اختلاط یعنی ملانا ہیں اور ﴿مِزَاجُ﴾ وہ ہے جس سے کوئی چیز ملادی جائے۔(غ)

﴿كَافُوْرًا﴾۔ كَافُوْرٌ۔ كَفَرٌ سے ہے جس کے معنی ڈھانکنا ہیں اور كَافُوْرٌ ایک خوشبو ہے۔(غ)

﴿اَبْرَارَ﴾ کے لیے یہاں جن باتوں کا ذکر آگے آتا ہے ﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ۔ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ﴾ وہ سب اس دنیا میں ان کے کام ہیں۔ پس بظاہر قیاس اس بات کو چاہتا ہے کہ ﴿يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ﴾ بھی اسی دنیا کے متعلق ہو اور آگے الفاظ ﴿يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا﴾ کہ اس چشمے کو وہ خود ہی بہا نکالتے ہیں، اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر اسے بہشت کا وعدہ بھی سمجھا جائے تو چونکہ ان تمام سورتوں میں اصل غرض یہی بتانا ہے کہ بہشت کی زندگی اس دنیا سے شروع ہوتی ہے گو ان نعمتوں کا یہاں اور رنگ ہے اور بہشت میں اور رنگ ہوگا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کافوری پیالہ مومن کو یہاں بھی ملتا ہے۔ اور كَافُوْر کے چونکہ اصل معنی ڈھانکنے والا ہیں اور کافور کی خاصیت بھی زہروں کو دبانا ہے اس لیے اس کافوری پیالے میں اشارہ روحانیت کی پہلی

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝٦

(وہ) چشمہ (ہے) جس سے اللہ کے بندے پیتے ہیں۔ وہ اسے چیر کر بہا نکالتے ہیں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝٧

نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت پھیل جانے والی ہے۔ (3502)

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝٨

اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (3503)

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝٩

ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝١٠

ہم اپنے رب سے تنگی اور سختی کے دن کا خوف رکھتے ہیں۔ (3504)

منزل کی طرف ہے، جس میں بدی کی قوت کمزور ہو جاتی اور دب جاتی ہے۔ اور پہلے اسے کَأْس کہہ کر پھر فرمایا ﴿عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ﴾ جہاں عَيْنًا كَافُوْر سے بدل ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ **کافوری پیالہ** انسان کی جدوجہد سے آخر ایک چشمہ بہا نکالتا ہے اور اسی جدوجہد کی طرف ﴿يُفَجِّرُوْنَهَا﴾ میں اشارہ ہے۔

3502۔ ﴿مُسْتَطِيْرًا﴾۔ مُسْتَطِيْرٌ۔ طَارَ کا اصل پرندے کے اڑنے کے متعلق ہے مگر تَفَرَّقٌ پر بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اور اِسْتِطَارَةٌ اور تَطَايُرٌ کے معنی تَفَرَّقٌ یعنی پھیل جانا اور ذَهَابٌ ہیں۔ [اِسْتِطَارُ الْغُبَارُ] غبار ہوا میں پھیل گیا۔ اور مُسْتَطِيْرٌ پھیل جانے والے جیسے [صُبْحٌ مُسْتَطِيْرٌ] (ل)

3503۔ مسکین، یتیم، اسیر کوئی ہو مسلم کی شرط نہیں۔ آنحضرت ﷺ خود بھی **مشرکین پر خرچ** کر دیتے تھے، صحابہ بھی۔ یہ وسعت اسلامی ہے۔ ہاں مسلم بھائی اول حقدار ہے۔ اسلام کی تعلیم کا اصل الاصول ہی غربا اور مساکین کی خبر گیری کر کے انہیں اٹھانا ہے۔

3504۔ ﴿قَمْطَرِيْرًا﴾۔ اِقْمَطَرَّ سخت ہو گیا اور قَمْطَرِيْرٌ شدید یا شدید اور غلیظ کو کہتے ہیں جو اپنی شدت سے ماتھے پر تیوریاں ڈال لے۔ (ل) دن کو عَبُوْسٌ اور قَمْطَرِيْرٌ کہنا۔ جن کا تعلق اخلاق میں ماتھے پر تیوریاں ڈالنے سے ہے ان اخلاق کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ﴿١١﴾

سو اللہ (تعالیٰ) نے انہیں اس دن کی مصیبت سے بچالیا اور انہیں تازگی اور خوشی سے ملا دیا۔

وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ﴿١٢﴾

اور انہیں ان کے صبر کرنے کی وجہ سے باغ اور ریشم بدلہ میں دیا۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾

اس میں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ نہ اس میں دھوپ کی (حدت) دیکھیں گے اور نہ سخت سردی۔[3505]

وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾

اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے پھل ان کے لیے سہولت سے میسر آنے والے بنائے گئے ہیں۔

قرأ حفص بغير الالف في الوصل فيهما و الوقف على الاول بالف و على الثاني بغير الالف

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿١٥﴾

اور ان پر چاندی کے برتنوں کا دور چلایا جائے گا اور آب خوروں کا جو شیشہ کے ہیں۔

قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾

شیشے بھی چاندی کے انہوں نے اسے اندازہ سے بنایا ہے۔[3506]

3505۔ ﴿شَمْسٌ﴾۔ سورج اور روشنی جو اس سے نکلتی ہے۔ (غ) اور زَمْهَرِيْرٌ شدت سردی۔ (ل) حَرِيْرٌ باریک کپڑا۔ (غ)

3506۔ ﴿فِضَّةٍ﴾۔ فَضّ توڑنا اور پراگندہ کرنا [نمبر: 551] اور ﴿فِضَّةٍ﴾ چاندی یعنی جواہر میں سے ادنیٰ ترین چیز جس سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ (غ)

نعمائے بہشتی میں اعمال حسنہ کا نقشہ:

یہاں ان برتنوں کو قواریر یعنی شیشے کے بھی کہا ہے اور ان کا چاندی سے ہونا بھی بیان کیا ہے۔ گو یا بلحاظ اپنی صفائی کے وہ شیشے کے

وَ یُسْقَوْنَ فِیْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا ﴿۱۷﴾

اور اس میں انہیں ایک پیالہ پلایا جائے گا جس کی ملونی سونٹھ کی ہوگی۔

عَیْنًا فِیْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِیْلًا ﴿۱۸﴾

اس میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔ (3507)

وَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾

اور ان پر ہمیشہ ایک حالت پر رہنے والے لڑکے گھومیں گے۔ جب تو انہیں دیکھے گا تو انہیں بکھرے ہوئے موتی سمجھے گا۔

ہیں اور بلحاظ بے داغ اور سفید ہونے کے چاندی کے یا شیشے کا نقص جو ٹوٹ جانا ہے وہ ان میں موجود نہیں گویا وہ چاندی کے ہیں اور چاندی کا نقص جو شفاف نہ ہونا ہے وہ ان میں نہیں، گویا شیشے کے ہیں۔ اور اصل میں نعمائے بہشت کی کمال خوبی اور بے عیب اور خالی از نقص ہونے کا ذکر ان آیات میں ہے دھوپ اور سردی دونوں کا وہاں نہ ہونا بھی اسی کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس دنیا کی زندگی میں بلحاظ اخلاق انسان کامل کا یہی نقشہ ہوتا ہے۔ اس میں نہ حدت ہوتی ہے، نہ سرد مہری۔ وہ آئینہ کی طرح صاف بھی ہوتا ہے اور چاندی کی طرح بے عیب بھی۔ اور ﴿قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا﴾ میں بتایا کہ انہوں نے خود ہی اس کا اندازہ کیا ہے جس میں ان کے اخلاق اور اعمال حسنہ کی طرف اشارہ ہے۔ [قَدَّرُوْهَا بِاَعْمَالِهِمُ الصَّالِحَةِ] (ر)

3507۔ ﴿زَنْجَبِیْلًا﴾۔ زَنْجَبِیْلٌ سونٹھ کو کہتے ہیں اور عرب کے نزدیک وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ (ل)

﴿سَلْسَبِیْلًا﴾۔ سَلْسَبِیْلٌ۔ سہل، لذیذ، تیزی سے چلنے والا اور بعض نے اسے سَلْ اور سَبِیْلٌ سے مرکب کیا ہے اور بعض کے نزدیک ہر تیز جاری چشمے کو کہتے ہیں۔ (غ)

بہشت میں کیا نعمتیں ہوں گی؟ ان سب کا ذکر بالتفصیل تو کہیں نہیں آیا جن چند چیزوں کا ذکر کیا ہے وہ کسی خاص غرض کے لیے ہے۔ پہلے ایک کَاْسٍ کا ذکر کیا تھا جس کی ملونی کافور ہے۔ یہاں ایک کَاْسٍ کا ذکر ہے جس کی ملونی سونٹھ ہے۔ وہاں اس قوت کی طرف اشارہ تھا جو بدیوں کو دباتی ہے۔ یہاں اس قوت کی طرف اشارہ ہے جو عمل کی طاقت پیدا کرتی ہے، کیونکہ **زنجبیل** کا خاصہ یہی ہے کہ وہ قوت دیتی ہے۔ گویا دوسرے روحانی مرتبہ کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے کہ جب بدی کی قوت دب جاتی ہے تب نیکی کی قوت میں زبردست تحریک پیدا ہوتی ہے اور درحقیقت روحانی ترقی کے یہ دو ہی مدارج ہیں۔

اوّل: بدی کو دبانا،

دوسرا: نیکیوں اور طاعات میں ترقی کرنا۔ ان دونوں [کأسوں] میں ان ہی دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَ اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ﴿۲۰﴾

جب تو ادھر دیکھے گا تو نعمتیں اور ایک بڑی بادشاہت دیکھے گا۔

عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾

ان کے اوپر سبز باریک ریشم اور موٹے ریشم کے کپڑے ہوں گے اور وہ چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کا رب انہیں پاک کرنے والی پینے کی چیز پلائے گا۔ (3508)

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع 1 22 19

یہ تمہارے لیے بدلہ ہے اور تمہاری کوشش کی قدر ہوئی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ﴿۲۳﴾ۚ

ہم نے تجھ پر قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ۚ

سو اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کر اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کر۔

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۲۵﴾ۚ

اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کر۔

وَ مِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ﴿۲۶﴾

اور رات کے کچھ حصے میں اس کے آگے سجدہ کر اور لمبی رات اس کی تسبیح کر۔

3508۔ عَالِیَ۔ عَلَی یَعْلُوْ سے عَالٍ ہے اور عَلِیَ یَعْلَی سے عَلَی اور مکانوں اور اجسام میں زیادہ استعمال عَلَا کا ہے۔ (غ) اور یہاں عَلَی کی جگہ عَالِیَ استعمال ہوا ہے۔

﴿طَهُوْرًا﴾۔ طَهُوْرٌ اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ طَهُوْرٌ کے معنی مُطَهِّر ہیں یعنی پاک کرنے والا۔ گو یہ معنی بہ حیثیت لفظ درست نہ ہوں مگر معنی کے لحاظ سے اس میں تطہیر ہے۔ کیونکہ طَاهِرٌ دو قسم ہے۔ ایک وہ کہ اس کی طہارت دوسرے کو نہیں پہنچتی اور دوسرا وہ جس کی طہارت دوسرے پر اثر کرتی ہے۔ اس معنی سے طَهُوْرٌ پاک کرنے والا ہوگا۔ (غ)

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ یَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ﴿۲۷﴾

یہ لوگ جلد ملنے والے نفع سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن کو چھوڑتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَاۤ اَسْرَهُمْ ۚ وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَاۤ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِیْلًا ﴿۲۸﴾

ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کی بناوٹ کو مضبوط بنایا اور جب ہم چاہیں تو ان کی مثل بدل کر اور لے آئیں گے۔(3509)

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۲۹﴾

یہ نصیحت ہے۔ سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے۔

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۳۰﴾ۚ

اور تم نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ اللہ (تعالیٰ) چاہے۔ اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔(3510)

3509۔ ﴿اَسْرَ﴾۔ اَسْرٌ کے معنی باندھنا ہیں اور بمعنی خَلْقٌ بھی آتا ہے۔ [اَسَرَهُ اللّٰهُ خَلَقَهُ] میں یہی معنی یہاں ہیں اور بِاَسْرِهَا میں اَسْرٌ کے معنی جمیع ہیں۔ (ر)

اس رکوع میں بتایا ہے کہ حق بتدریج پھیلے گا اور ان کا بدلنا دونوں طرح ہوسکتا ہے یا ان کی جگہ دوسری قوم آجائے یا وہ خود ایک تبدیل شدہ قوم بن جائیں۔

3510۔ **انسان کا اراہ مشیت الٰہی کے ماتحت:** سورۂ مدثر کے آخر پر تھا ﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [المدثر: 74:56-55] ''سو جو کوئی چاہے اسے یاد رکھے۔ اور وہ یاد نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔'' اور یہاں پر ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ دونوں جگہ پر پہلے تو فرمایا کہ جو چاہے وہ اللہ کا رستہ اختیار کرے اور پھر فرمایا کہ انسان نہیں چاہتا جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ اور اسی سورت کی ابتدا میں فرمایا تھا کہ رستہ ہم نے دکھا دیا ہے اب جو چاہے رستہ اختیار کرے، جو چاہے انکار کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے خدا کی طرف آئے، چاہے اس کی طرف سے پھرا رہے۔ لیکن انسان کا یہ اختیار پھر کسی حد بندی کے ماتحت ہے اور وہ حد بندی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہ واقعات کے بالکل مطابق ہے۔ مثلاً انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین سے فائدہ اٹھا کر اپنے لیے معاش کی صورت پیدا کرے اور چاہے نہ کرے۔ اس عام قاعدہ سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، لیکن پھر بھی

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور
الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ ع 2 9 20 ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

یہ انسان کا اختیار کئی طرح پر محدود ہے۔ اور سچ یہی ہے کہ انسان کا علم، اس کا ارادہ، اس کی طاقت سب ایک حد بندی کے ماتحت ہیں۔ نہ اس کا علم غیر محدود طریق پر کام کرتا ہے، نہ اس کی طاقت اور نہ اس کا ارادہ۔ [دیکھو نمبر: 32] دوسرے انسان کی مشیت جہاں تک وحی الٰہی کا سوال ہے یوں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وحی الٰہی نہ بھیجتا تو پھر انسان وہ رستہ ہی اختیار نہ کر سکتا تھا۔ پہلے مشیت الٰہی ہوئی کہ وحی بھیجے تو پھر انسان کے اختیار کا سوال آیا کہ اس وحی پر چلے یا نہ چلے ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ یوں بھی سچ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت فی الحقیقت بعض افعال پر بعض نتائج مترتب کرتی ہے، وہ حق ہے۔ اس کی ہر بات حکمت اور مصلحت کے ماتحت ہے، گو انسان کو معلوم نہ ہو۔ ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ میں مشیت اسی قانون کے رنگ میں کام کرتی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بکثرت ہے کہ اعمال صالحہ کا نتیجہ مغفرت ہے اور اعمال بد کا نتیجہ عذاب۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جو ہماری نظر میں ایک وقت عمل صالح ہے وہ کسی باریک ہماری نظروں سے مخفی کی وجہ کے سبب سے خدا کی نظر میں عمل بد ہو، جیسے ریاکاری کے اعمال یا جیسے وہ اعمال جن میں کبر مل جائے۔ اسی طرح ایک شخص جب ذکر کی طرف کان نہیں دھرتا تو مشیت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ اس کو ذکر و ہدایت سے محروم کر دے۔

اٰیَاتُهَا 50 (77) سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (33) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ — گواہ ہیں نیکی پھیلانے کے لیے بھیجی ہوئی۔

فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ — پھر خس وخاشاک کو اڑا دینے والی (جماعتیں)

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾ — اور دُور دُور پھیلا دینے والی۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ — پھر الگ الگ کر دینے والی۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ — پھر نصیحت کو پیش کرنے والی (جماعتیں)۔ (3511)

المرسلات

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْمُرْسَلٰتِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 50 آیتیں ہیں۔ مُرْسَلٰتِ سے مراد رسولوں کی جماعتیں ہیں۔ اور اس سورت میں بتایا ہے کہ رسولوں کی تکذیب کا ثمرہ کیا ملتا ہے۔ پچھلی سورت میں انسان کی ان ترقیات روحانی کا ذکر تھا جو رسول کے نفخ روح سے پیدا ہوتی ہیں اور اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس نئی زندگی کو قبول نہیں کرتے، بلکہ تکذیب رسل سے حق کا نام بھی مٹانا چاہتے ہیں۔

بخاری، مسلم وغیرھما میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم غار منیٰ میں تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ مرسلات نازل ہوئی اور آپ پڑھتے تھے اور میں آپ کے منہ سے اسے لے رہا تھا۔ پس یہ سورت مکی ہے اور ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3511۔ ﴿عُرْفًا﴾۔ عُرْفٌ کے معنی وہی ہیں جو معروف کے معنی ہیں۔ ﴿وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ [الاعراف: 199:7] ''اور نیک کام کا حکم دے۔''

پہلے رسولوں اور مومنین کے حالات سے شہادت:

﴿اَلْمُرْسَلٰتِ﴾ کے بارے میں تین قول ہیں۔ یعنی ہوائیں یا فرشتے یا رسول۔ ﴿عٰصِفٰتِ﴾ کے بارے میں ایک ہی قول ہے یعنی ہوائیں۔ ﴿نٰشِرٰتِ﴾ کے بارے میں تین قول ہیں ہوائیں، بارش، فرشتے۔ ﴿فٰرِقٰتِ﴾ کے بارے میں دو قول ہیں۔

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶	عذر کے لیے یا ڈرانے کو۔ (3512)
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷	جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔
فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸	پس جب تاروں کی روشنی جاتی رہے۔

فرشتے، قرآن کریم۔ ﴿مُلْقِيٰتِ﴾ سے مراد فرشتے لیے گئے ہیں۔ (ج) اور بعض کے نزدیک پہلی دو ملائکہ کی جماعتیں ہیں اور پچھلی تین قرآن کریم کی صفات ہیں۔ (د) فرشتے یا رسول یا قرآن اگر مطلب ہو تو مراد ایسی جماعتیں ہوں گی اور جواب قسم ہے کہ جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ پس مراد ایسی جماعتیں ہو سکتی ہیں جو وعدۂ الٰہی کے وقوع پر بطور گواہ ہوں۔ ہوائیں یا بارش بھی ایک باریک رنگ میں یہ دلالت کرتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ آگے بالتصریح مذکور ہے ﴿اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یعنی پہلوں کی ہلاکت کا ذکر ہے اور پھر ﴿يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ کا ذکر ہے اور ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کو دہرایا ہے۔ تو یہ تمام باتیں ایک قطعی شہادت ہیں کہ ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ﴾ میں مراد رسولوں کی جماعتیں ہیں یعنی جس قدر رسول گزر چکے ان سب کی زندگیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ مکذب ہلاک کیے جاتے ہیں۔ ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ﴾ اور رسول ہی ﴿الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا﴾ ہوتے ہیں، جو معروف کو لے کر آتے ہیں اور معروف کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ اور دوسری صفت ان کی یہ بیان کی ہے کہ وہ عٰصِفٌ کو یعنی وہ چھلکا یا پتے وغیرہ جو چورا ہو جاتے ہیں، جنہیں بالفاظ دیگر خس و خاشاک کہنا چاہئے اس کو اڑا دیتے ہیں۔ کیونکہ جب حق آتا ہے تو باطل چلا جاتا ہے اور اس میں اشارہ ان لوگوں کی ہلاکت کی طرف بھی ہے جو زندگی سے محروم یعنی مردہ اور اخلاق کے لحاظ سے خس و خاشاک کے حکم میں ہوتے ہیں اور باطل کو بھی خس و خاشاک سے مثال دی جاتی ہے۔ پس یہ دونوں رسولوں کی صفات ہیں اور اس کے بعد بجائے فا کے واؤ سے شروع کیا یعنی ﴿وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا﴾۔ تو یہ گویا اور قسم کی جماعتیں ہیں جو رسولوں کے ساتھ مل کر حق کو دور دور پہنچا دیتی ہیں۔ اور ان ناشرات یعنی حق کو پھیلانے والی جماعتوں کی دو صفات بیان کیں۔ ایک یہ کہ وہ فارقات ہیں یعنی اپنے اعمال کے لحاظ سے حق و باطل میں فرق کرنے والی ہوتی ہیں اور ان کی زندگیاں حق و باطل میں فرق کا ایک نمونہ بن جاتی ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ذکر کو لوگوں کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ یعنی ان کا کام بھی یہی ہوتا ہے کہ جو بات رسولوں پر نازل ہوئی اسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں۔ گویا ان پانچ آیتوں میں رسولوں اور ان کے ساتھیوں کی زندگیوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے اور ساتھ ہی گویا رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی زندگیوں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ وہی کام کر رہے ہیں جو رسول اور ان کے ساتھی دنیا میں کیا کرتے تھے۔

3512۔ ﴿عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ یہ دونوں مصدر ہیں۔ عُذْرًا، عَذَرَ سے گناہ کی نجاست کو دور کیا۔ [دیکھو نمبر: 1316] اور نُذْرًا یعنی ڈرانے کے لیے۔ گویا ان کا وہ ذکر پہنچانا دو غرضوں کے لیے ہوتا ہے۔ بعض سے گناہ کی نجاست کو دور کر دیتے ہیں اور بعض کو ڈراتے ہیں کہ اگر وہ بدی اور حق کی مخالفت پر اصرار کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۪ۙ﴿۹﴾	اور جب آسمان پھٹ جائے۔
وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۪ۙ﴿۱۰﴾	اور جب پہاڑ اڑا دیئے جائیں۔
وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؕ﴿۱۱﴾	اور جب رسولوں کا وقت مقرر آجائے۔ (3513)
لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ؕ﴿۱۲﴾	کس دن کے لیے دیر کی جاتی ہے۔
لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۚ﴿۱۳﴾	فیصلے کے دن کے لیے۔
وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ؕ﴿۱۴﴾	اور تجھے کیا معلوم ہے فیصلے کا دن کیسا ہے۔
وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۵﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ؕ﴿۱۶﴾	کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا۔

3513۔ ﴿فُرِجَتْ﴾۔ فَرْجٌ دو چیزوں کے درمیان شق ہے۔ اور ﴿فُرِجَتْ﴾ کے معنی ہیں اِنْشَقَّتْ۔ (غ)

﴿اُقِّتَتْ﴾۔ وَقْتٌ غایت زمانہ ہے جو کسی عمل کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ [وَقَّتُّ كَذَا] اس کے لیے میں نے وقت مقرر کیا۔ ﴿كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ [النساء: 103:4] ''مقررہ اوقات میں۔'' (غ) اور [وَقَّتَ الشَّیْءَ] کے معنی ہیں اس کی حد بیان کر دی اور تَوْقِیْتٌ تحدید اوقات ہے۔ (ل) اور یہاں یوں بھی معنی کیے ہیں [بَلَّغْتُ مِیْقَاتِهَا الَّذِیْ كَانَتْ تَنْتَظِرُهُ] (ر) یعنی اس وقت مقرر کو پہنچ گئے جس کا انتظار کرتے تھے۔

طمس نجوم وغیرہ سے مراد:

یہ چاروں باتیں اس وعدہ عذاب پر بھی صادق آتی ہیں جو مخالفین حق کو اس دنیا کے متعلق دیا گیا تھا اور آخرت پر بھی اور ستاروں کی روشنی جاتے رہنے سے اور آسمان کے پھٹنے سے اور پہاڑوں کے اڑنے سے بلحاظ قیامت تو معنی ظاہر ہیں اور اس دنیا کے وعدے کے لحاظ سے مراد رات کی تاریکی کا دور ہونا اور آسمان کا روشنی سے پھٹ پڑنا اور مخالفت کا اڑ جانا ہوگا۔ اور رسولوں کے وقت کا آجانا ایک صورت میں قیامت اور دوسری صورت میں باطل کی شکست ہے۔ اور یا اشارہ آخری رسول کے آنے کی طرف ہے جس کی پیشگوئی سب نبیوں نے کی تھی۔

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾	پھر ہم پچھلوں کو ان کے پیچھے بھیجیں گے۔ (3514)
كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾	اسی طرح ہم مجرموں سے سلوک کرتے ہیں۔
وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾	کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔
فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾	پھر اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔
اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾	ایک مقرر اندازے تک۔
فَقَدَرْنَا ۟ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾	سو ہم اندازہ کرتے ہیں تو کیا ہی اچھا اندازہ کرنے والے ہیں۔
وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾	کیا ہم نے زمین کو سمیٹ لینے والی نہیں بنایا؟ (3515)

3514۔ ﴿الْاٰخِرِيْنَ﴾۔ اٰخِرِيْنَ سے مراد یہاں آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کے مخالف ہیں۔ خواہ وہ سامنے موجود ہوں یا پیچھے آنے والے۔ مطلب یہ ہے کہ سب کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوتا رہے گا اور مفسرین نے اہل مکہ مراد لیے ہیں۔ مگر [دیکھو نمبر: 3348] یہاں مراد اٰخِرِيْنَ سے بالخصوص پچھلے زمانہ کے لوگ ہیں۔ یعنی جو آنحضرت ﷺ کے بعد پچھلے زمانہ میں آنے والے ہیں۔

3515۔ ﴿كِفَاتًا﴾۔ كَفْتٌ کے معنی قبض یعنی لینا اور جمع یعنی اکٹھا کر لینا ہیں اور زمین کو كِفَاتٌ کہنے سے مراد ہے کہ سب لوگوں کو جمع کیے ہوئے ہے۔ خواہ مردے ہوں خواہ زندے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ وہ زندوں کو اپنے ساتھ لگائے ہوئے ہیں (یعنی اپنی طرف کھینچے ہوئے) جیسے انسان حیوان وغیرہ اور مردوں کو جیسے جمادات۔ اور كِفَاتٌ نہایت تیز چلنے کو بھی کہتے ہیں اور كَفْتٌ سخت چلانے کو بھی کہتے ہیں (غ) تو یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ زمین کو ایسا بنایا کہ تمام چیزیں اس کی طرف کھچی رہتی ہیں اور اس کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ اور یہ اس کی کشش ثقل کی طرف اشارہ ہے اور یوں بھی کہ احیا و اموات کو ساتھ لیے تیز چلتی رہتی ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ بھی قرآن کریم کے ان انکشافات علمی کی ایک مثال ہے جن کا اس کے نزول کے وقت دنیا کو علم نہ تھا۔

اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾	(کیا) زندوں کو اور (کیا) مُردوں کو۔
وَّ جَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾	اور اس میں بڑے بڑے اونچے پہاڑ بنائے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا۔(3516)
وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾	اس کی طرف چلو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔
اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾	تین شاخوں والے سائے کی طرف چلو۔
لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾	نہ سایہ دینے والا اور نہ شعلے سے بچاتا ہے۔
اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾	وہ چنگاریاں پھینکتا ہے جیسے محل۔
كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾	گویا وہ زرد اونٹ ہیں۔(3517)

3516۔ ﴿شٰمِخٰتٍ﴾۔ [شٰمِخُ الْجَبَلُ] پہاڑ بہت بلند ہو اور شَامِخٌ بہت اونچے پہاڑ کو کہتے ہیں اور متکبر کو بھی شَامِخٌ کہتے ہیں۔(ل)

3517۔ ﴿ظِلٍّ﴾ ہر ایک ڈھانک لینے والی چیز کو بھی کہا جاتا ہے خواہ وہ محمود ہو یا مذموم۔ جیسے یہاں اور ﴿ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ﴾ [الواقعة: 43:56] ''سیاہ دھوئیں کے سایہ میں۔'' یہ مذموم ہے۔(غ)

﴿شُعَبٍ﴾۔ شُعْبَةٌ کی جمع ہے اور شُعَبٍ کی جمع شُعُوْبٌ ہے دیکھو [نمبر: 3126]) اور تنا کا شُعْبَةٌ شاخ ہے اور شاخ کا شُعْبَةٌ اس کی اطراف ہیں۔ اور اس میں اختراق کے معنی کی طرف رجوع ہے۔ اور شُعْبَةٌ ہر شے سے ایک ٹکڑا یا طائفہ ہے جیسے [وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِیمَانِ] (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: أُمُورِ الإِیمَانِ، حدیث: 9) (ل)

﴿اَللَّهَبِ﴾۔ لَهَبٌ آگ کا جل اٹھنا یا شعلہ مارنا ہے۔ اور لَهِیْبٌ شعلہ ہے اور دھوئیں اور غبار کو بھی لَهَبٌ کہا جاتا ہے۔(غ)

﴿شَرَرٍ﴾ واحد شَرَرَةٌ ہے اور [شَرَارَ النَّارِ] وہ چیز ہے جو آگ میں سے اڑتی ہے یعنی چنگاریاں، کیونکہ ان سے شر پہنچتی ہے۔(غ)

﴿قَصْرٍ﴾ بخاری میں ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس لفظ کی تفسیر میں فرمایا کہ ہم تین تین ہاتھ کی یا اس سے کم جلانے کی

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٤﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ یہ وہ دن ہے کہ وہ بات نہ کریں گے۔

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾ یہ فیصلے کا دن ہے ہم نے تمہیں اور پہلوں کو اکٹھا کیا۔(3518)

لکڑیاں جاڑوں میں جلانے کے لیے رکھ چھوڑتے تھے انہیں قَصْرٍ کہتے تھے۔اور قَصْرٌ محل کو بھی کہتے ہیں۔اور ابن جریر کہتے ہیں کہ زبان عربی میں اونٹوں کو محلوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

پرستارانِ صلیب کو خطاب:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ صلیب کے پرستاروں کو کہا جائے گا۔(ر) اور تین شاخوں والے سائے کا ذکر تثلیث کا عقیدہ رکھنے والی قوم کے لیے موزوں بھی ہے اور یہاں ظِلٍّ کو تین شاخوں والا کہا ہے اور فی الحقیقت تو وہ سایہ نہیں بلکہ کوئی عذاب ہے جو مکذبین حق کو ڈھانک لیتا ہے۔پس اس کی تین شاخوں سے مراد اس کے اندر تین قسم کی تکلیف ہے اور ان تین شاخوں کا ذکر بھی خود قرآن کریم نے کر دیا ہے۔ظِلٍّ کے لیے [دیکھو نمبر: 676] اس کے تین معنی ہیں۔سایہ، حفاظت، آسائش، تو تین شاخوں کے ذکر میں انہی تین باتوں کی نفی کی ہے۔چنانچہ اول فرمایا کہ وہ ﴿ظَلِيْلٍ﴾ نہیں یعنی سایہ کا کام نہیں دیتا نہ اس میں کوئی ٹھنڈک ہے۔اور حفاظت کے معنی کے مقابل پر فرمایا کہ وہ آگ سے بھی نہیں بچاتا یعنی حفاظت کا کام نہیں دیتا اور آسائش کے معنی کے مقابل پر فرمایا کہ اس سے شرارے نکلتے ہیں اور ان کو محلوں سے اور زرد اونٹوں سے تشبیہ دی ہے۔یہ تشبیہ بھی بلحاظ ان شراروں کی جسامت اور ان کے رنگ کے صحیح ہے۔اور ان لفظوں کے اختیار کرنے میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ آسائش جو وہ محلات میں چاہتے تھے اب شراروں کے رنگ میں وہی محلات ان کے دکھ کا موجب ہیں۔اور وہ دولت جو وہ اونٹوں میں خیال کرتے تھے اسی سے انہیں عذاب ملے گا۔

3518۔قیامت کے دن تو سب اکٹھے ہوں گے۔مگر اس دنیا میں بھی ایک ﴿يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ آتا ہے جب حق و باطل الگ الگ ہو جاتے ہیں۔اس دن پہلوں اور پچھلوں کا اکٹھا کرنا بلحاظ سزا کے ہے یعنی ذات و عذاب میں وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ سو اگر تمہارے پاس کوئی حیلہ ہے تو میرے خلاف حیلہ کرلو۔

ع 1 40 21 وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ متقی سایوں اور چشموں میں ہیں۔

وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ اور پھلوں میں جن کو وہ چاہیں۔

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ خوشگواری سے کھاؤ اور پیو، اس کا بدلہ جو تم کرتے تھے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔

كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ کھاؤ اور تھوڑا فائدہ اٹھالو، کیونکہ تم مجرم ہو۔

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ اور جب انہیں کہا جاتا ہے جھک جاؤ، جھکتے نہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔

ع 2 10 22 فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ سو اس کے بعد کس کلام پر ایمان لائیں گے۔